ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

10 صفر المظفر 1440ھ —— اکتوبر 2018ء

عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے
88 سال

- سو دن کے ایجنڈے کی تکمیل دو سال میں تبدیل
- پنجاب چیریٹی ایکٹ 2018ء......مدارس کی بندش کا حکومتی حربہ
- احرار اور تحریکِ کپورتھلا (۱۹۳۳ء)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مسلمانوں کے جذبات
- مسئلہ احمدیت: بے سوچے سمجھے بولنے لکھنے والے
- ’’قادیانی مشیر‘‘ ایک ناقابلِ قبول غلطی!

ان الحکم الا للہ
احرار ۱۹۲۹ء

توحید و ختمِ نبوّت کے علمبردارو ایک ہو جاؤ

سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ختمِ نبوّۃ کانفرنس

2 روزہ
عظیم الشّان
41 ویں
سالانہ

ان شاء اللہ

شاھد ۱۴۳۸

11/12 ربیعُ الاوّل 1440 جامع مسجدِ احرار چناب نگر ضلع چنیوٹ

زیرِ صدارت

ابنِ امیرِ شریعت
حضرت پیرجی
سیّد عطاءُ المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیرِ مجلس احرارِ اسلام پاکستان

مہمانِ خصوصی

حضرت مولانا
خواجہ عزیز احمد دامت برکاتہم
نائب امیر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کُندیاں

پروگرام

11 ربیع الاوّل بعد نمازِ عشاء، علماء کرام، خطباء احرار اور مذہبی و سیاسی رہنما خطاب کریں گے۔ **12 ربیع الاوّل** بعد نمازِ فجر درسِ قرآن کریم، صبح 10 بجے تا ظہر جملہ مکاتبِ فکر کے سرکردہ رہنما، تحریک ختمِ نبوّت کے قائدین، علماء، خطباء، زعماء احرار، وکلاء، صحافی، دانشور اور طالب علم رہنما عقیدۂ ختمِ نبوّت، حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، عصمتِ انبیاء، قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں کو قبولِ اسلام کی دعوت، احرار اور محاسبۂ قادیانیت کی تاریخ جیسے اہم موضوعات پر خطاب کریں گے۔ **جلوس دعوتِ اسلام** حسبِ سابق بعد نمازِ ظہر قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کا فریضہ دُہرانے کے لئے فرزندانِ اسلام، مجاہدینِ ختمِ نبوّت احرار کا عظیم الشان جلوس مسجد احرار سے روانہ ہوگا۔ دورانِ جلوس مختلف مقامات پر زُعماء احرار خطاب فرمائیں گے۔

منجانب
شعبۂ تبلیغ تحفّظِ ختمِ نبوّت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

چناب نگر: 0301-3138803 ملتان: 0300-6326621 راولپنڈی: 0300-9793093 کراچی: 0308-5838395 پشاور: 0315-9932942 سیالکوٹ: 0307-6101608
لاہور: 042-35912644 چیچہ وطنی: 040-5482253 گجرات: 0301-6221750 تلہ گنگ: 0300-5780390 آزاد کشمیر: 0301-5310385 ڈسکہ: 0303-4611460

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 29 شمارہ 10 | اکتوبر 2018ء / صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی
ابن امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com
محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد
0300-7345095

تشکیل

اداریہ:	سودن کے ایجنڈے کی تکمیل دو سال میں تبدیل	سید محمد کفیل بخاری	2
افکار:	پنجاب چیرٹی ایکٹ 2018ء......مدارس کی بندش کا حکومتی حربہ	مولانا زبیر احمد صدیقی	4
//	''قادیانی مشیر'' ایک ناقابلِ قبول غلطی!	راؤ محمد شاہد اقبال	10
//	مسئلہ احمدیت: بے سوچے سمجھے بولنے لکھنے والے	ڈاکٹر شہزاد	12
//	ملتان کا سفر اور کچھ دیر کتابوں کے درمیان	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	15
دین و دانش:	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مسلمانوں کے جذبات	مولانا زاہد الراشدی	17
//	صحابیات رضی اللہ عنہن کا ذوقِ عبادت	مولانا محمد غیاث الدین حسامی	20
ادب:	رنگِ سخن / سانس	پروفیسر محمد اکرام تائب	23
تاریخِ احرار:	احرار اور تحریک کپورتھلا (۱۹۳۳ء)	ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ	24
آپ بیتی:	میرا افسانہ	مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	32
شخصیات:	امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا ذوقِ چائے نوشی	نور اللہ فارانی	38
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	مبصرین: محمد احمد حافظ، ڈاکٹر عمر فاروق احرار، صبیح ہمدانی	45
مطالعۂ قادیانیت:	میرا اسلوب تردیدِ قادیانیت	تحریر: ہانی طاہر، ترجمہ: صبیح ہمدانی	52
//	منہاجِ نبوت اور مرزا قادیانی (آخری قسط)	مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمہ اللہ	55

زرِ تعاون سالانہ
اندرونِ ملک ——— -/200 روپے
بیرونِ ملک ——— -/4000 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ
دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com
☎ 061-4511961

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

سودن کے ایجنڈے کی تکمیل دو سال میں تبدیل

سید محمد کفیل بخاری

موجودہ حکومت کرپشن کے خاتمے، انصاف کی فراہمی اور بلا استثنا احتساب کے انتخابی منشور، نعروں اور وعدوں کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی ہے۔ وزیر اعظم عمران خان نے اپنے انتخابی جلسوں میں تکرار کے ساتھ یہ بات فرمائی کہ:

''اگر تحریکِ انصاف کی حکومت قائم ہوگئی تو پہلے سو دنوں میں عوام کو واضح تبدیلی نظر آئے گی۔ ہم اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ٹھوس اقدامات کریں گے''۔

لیکن نوزائدہ حکومت کو قائم ہوئے ڈیڑھ ماہ گزرنے کے باوجود کوئی واضح نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ وزیر اعظم نے اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے دو سال کی مدت مانگ لی ہے۔

عمران خان ''یقینی طور پر'' الیکشن جیتنے والے امیدواروں کی جس ٹیم کے ساتھ فاتحانہ انداز میں ایوانِ اقتدار میں داخل ہوئے ہیں وہ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف اور سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف کی حکومتوں میں بھی اقتدار کی انہی راہ داریوں میں گردش کرتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ''طائفہ مقتدرہ'' کے مزاج، سوچ اور زندگی کے مستقل طرزِ عمل کو سو دنوں میں تبدیل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ علاوہ ازیں برسوں سے براجمان بیوروکریسی اس پر مستزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ عمران خان اِن لوگوں کے ساتھ کب تک چل سکیں گے یا یہ لوگ کب تک خان صاحب کے ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ خان صاحب جس طرح سب کو لتاڑ پچھاڑ کر بلند بانگ دعووں کے ساتھ اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوئے ہیں، اسی طرح قوم کو بھی ان سے غیر معمولی توقعات ہیں کہ وہ اپنے وعدوں کو بہر حال پورا کریں گے، قوم کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وزیر اعظم ہاؤس میں بندھی بھینسیں اور کھڑی گاڑیاں نیلام کر دی گئی ہیں۔ عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ عمران خان نظام میں تبدیلی کا وعدہ جلد پورا کریں۔ سابق حکمرانوں پر مقدمات ابھی تک زیر التوا ہیں، بلکہ سزا معطل ہونے کے بعد رہا ہو کر اپنے مری محل میں محوِ استراحت ہیں۔ عوام کو ریلیف دینے کی بجائے گیس اور بجلی کے نرخوں میں اضافے کے بم گرائے جا رہے ہیں جبکہ پٹرول بم گرانے کی تیاری جاری ہے ان پر ٹیکسز میں اضافے اور ہوش ربا مہنگائی نے غریب عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ عوام چاہتے ہیں کہ حکومت:

★ وطن عزیز کو قرضوں سے نجات دلا کر ملکی معیشت کو مستحکم کرے۔

★ ڈیمز کی تعمیر جلد مکمل کر کے، توانائی کا بحران ختم کرے۔

★ ملک بھر میں کرپٹ لوگوں کا بلا استثنا احتساب تیز کر کے اور قومی خزانے سے لوٹی ہوئی دولت اُن سے واپس لی جائے۔

★ مضبوط خارجہ پالیسی تشکیل دے کر اپنے دوستوں اور دشمنوں کا واضح تعین کیا جائے۔

افغانستان سے امریکی افواج کا انخلاء، امن کا قیام اور سی پیک کی تکمیل پاکستان کی ترقی واستحکام کے لیے انتہائی اہم ہے۔ افغانستان، امریکہ کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ حسبِ سابق افغان طالبان سے مذاکرات کے لیے پاکستان پر امریکی دباؤ بڑھ رہا ہے اور امریکی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسٹر ایلس ویلز نے ایک بار پھر پاکستان سے ڈومور کا مطالبہ کیا ہے۔ امریکہ نے جنوبی ایشیا کے حوالے سے چین اور روس کی پالیسیوں سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اپنے تحفظات پر پاکستان کے ساتھ تعلقات کا نئے سرے سے جائزہ لینے کا اظہار کیا ہے۔ اُدھر امریکی شہ پر بھارتی جنرل نے پاکستان کو جنگی دھمکی کا ویا کھیان دے کر ہماری امن کی کوشش وخواہش کا غلط مطلب لیا ہے۔ ملکی سلامتی وتحفظ کے حوالے سے افواج پاکستان اور حکومت پاکستان نے بھرپور ردِعمل کا اظہار کر کے پوری قوم کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

الحمدللہ! پاکستان اپنی سلامتی کے تحفظ اور دفاع کی بلکہ دشمن کو عبرتناک شکست دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے حکومت امریکی دباؤ اور ''ڈومور'' کے ماحول سے باہر نکلے، اپنی آزاد اور خودمختار پالیسیوں کے ساتھ وطن عزیز کو ترقی وخوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کرے۔

حکومت کے لیے سو دن یا دو سال میں کرنے کے بہت کام ہیں، لیکن معلوم نہیں کہ متفقہ اور طے شدہ مسائل کو چھیڑنے کا سلسلہ کیوں شروع کر دیا گیا۔ پہلے اقتصادی کونسل میں ایک قادیانی میاں عاطف کی تقرری کی گئی لیکن عوام کے شدید احتجاج پر اسے برطرف کر دیا گیا۔ اب قانون توہینِ رسالت 295-C کو غیر مؤثر اور سزا کو ناقابلِ عمل بنانے کے لیے سینیٹ میں ترمیمی بل پیش کر دیا گیا ہے۔ جس کے مطابق توہینِ رسالت کا مقدمہ درج کرانے والا شخص اگر جرم ثابت نہ کر سکے تو اُسے موت کی سزا دی جائے گی۔ یعنی کسی بھی اندرونی وبیرونی دباؤ کے تحت جرم کے شواہد کو ختم کر کے الٹا مدعی کو مجرم قرار دے کر سزا دی جائے گی، پھر اندراجِ مقدمہ کا طریقہ انتہائی پیچیدہ بنا کر، مقدمے کا اندراج تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح دینی مدارس اور دینی جماعتوں کے راستے مسدود کر کے انھیں دیوار سے لگایا جارہا ہے۔ عیدالاضحیٰ کے موقعے پر قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے کے جرم میں درجنوں دینی طلباء واساتذہ کو قید وجرمانے کی سزائیں سنائی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب چیریٹی بل فروری 2018ء کے ذریعے کسی دینی مدرسے کو چلانا اور اس کے لیے عطیات وصول کرنا ممکن ہی نہیں رہا۔ مدارس اور سکولز میں یکساں نصابِ تعلیم رائج کرنے کی پالیسیاں وضع کی جارہی ہیں، پہلے سے رجسٹرڈ مدارس کی رجسٹریشن کی تجدید نہیں کی جارہی اور نئی رجسٹریشن کا سوال ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ حکمرانوں سے ہماری گزارش ہے کہ ان طے شدہ متفقہ آئینی وتعلیمی اور دینی مسائل سے چھیڑ چھاڑ اور اُن میں تبدیلی آپ کا نہیں بلکہ مغرب کا ایجنڈہ ہے۔ اگر یہ کھیل جاری رہا تو ملک میں انتشار پیدا ہوگا۔

اوّل تو حکمرانوں کو کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب کی بہتری پر توجہ دینی چاہیے، جس کی خرابیاں اور نتائج اظہر من الشّمس ہیں۔ لیکن اگر وہ دینی مدارس کے نصاب ونظامِ تعلیم کی بہتری اور مدارس کے طلباء کو مین سٹریم میں لانے کے خواہش مند ہیں تو اسے وفاق المدارس العربیہ کی قیادت سے مذاکرات کر کے، اعتماد میں لے کر ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اور وفاق المدارس کی قیادت کو بھی حکومت سے مذاکرات ومکالمے کا سلسلہ شروع کر کے ان مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے۔

پنجاب چیریٹی ایکٹ 2018ء...... مدارس کی بندش کا حکومتی حربہ

مولانا زبیر احمد صدیقی (مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد)

حمد وثناء رب لم یزل کے واسطے، جس نے کائناتِ عالم کو بنایا۔ درود وسلام سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور، جنھوں نے کائنات وعالم کو سنوارا۔ امابعد!

اسلامیان پاکستان خوب آگاہ ہیں کہ 9/11 کے بعد مغرب و عالم کفر کی اسلام کے خلاف چومکھی لڑائی جاری ہے۔ مغرب بہرصورت اسلامی شناخت، اسلامی تہذیب، اسلامی اقدار وافکار اور اسلامی تعلیمات کا خاکم بدھن خاتمہ چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مغرب نے عالم اسلام پر دہشت گردی کے نام پر جنگ مسلط کر کے پورے عالم کا امن سبوتاژ کیا۔ لاکھوں افراد دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گئے، اربوں ڈالر کے نقصانات ہوئے، لیکن اس جبر وستم کے باوجود دین کی حقانیت کھل کر سامنے آئی اور یہ تیر وتفنگ، آتش وبارود، بری وبحری اور فضائی یلغار گوانتانا مو، ابوغریب، بگرام ائربیس اور اس جیسی جیلیں بھی اسلام کو ختم نہ کرسکیں، بلکہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب بن کر سامنے آیا۔ دشمنان اسلام کی حسرت پوری نہ ہوسکی، افغانستان میں شکست فاش اور عراق میں ناکامی ان دشمنان اسلام کے منہ پر کالک بن کر نمایاں ہونے لگی، تو اب جنگ کا رخ تہذیب وکلچر، تعلیم، افکار ونظریات وغیرہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ عالم اسلام میں تہذیبی جنگ کے بعد اب تعلیمی جنگ مسلط کی جارہی ہے، تہذیبی محاذ پر کامیابی کے حصول کے لیے پاکستان میں مغربی اثر ورسوخ سے میڈیا کو کنٹرول کر کے گزشتہ دو دہائیوں میں خوب فحاشی عریانی، بے راہ روی اور آوارگی کا کلچر متعارف کرایا گیا اور پھر مقنّنہ و عدلیہ کے ذریعے اس سب کو قانونی حیثیت دی گئی۔ عدالتوں میں سب سے زیادہ کیسز خواتین کی جانب سے نام نہاد خلع کے دائر کئے جارہے ہیں۔ زوجین کے معاملے میں شوہر کو سنے بغیر نیز عدالتوں کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ عام تاثر قائم ہوگیا ہے کہ زوجین کے تنازع میں عدالتیں بیوی کو ہی سپورٹ کرتی ہیں، مشرف دور سے زنا بالرضاء تو گویا جرم ہی نہیں رہا، اس محاذ پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد گزشتہ کئی سالوں سے مسلمانوں کو تعلیمی اور فکری محاذ پر چت کر کے انہیں دین سے برگشتہ کیا جارہا ہے، اس سلسلہ میں اسکول وکالج کے نصابوں کو مذہبی تعلیم وتربیت سے عاری کرنے کے بعد اب مدارس کی دینی تعلیم کو غیر مؤثر کرنے یا مدارس کو اسکول وکالج میں تبدیل کرنے کے ایجنڈے پر زور وشور سے کام جاری ہے، ہمارے حکمران مغربی دباؤ کے آگے فوراً چت ہوکر اپنے ملک، مذہب، تہذیب، تمدن، عوامی رائے عامہ، قیام پاکستان کے اغراض، ملکی آئین کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر جی حضوری کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ ن کی سابقہ وفاقی اور پنجاب حکومت نے مدارس، علماء اور مذہبی کارکنان پر قیامت ڈھائی، دینی مسلمہ ایشوز کو چھیڑنے کی کوششیں کیں، جن کا خمیازہ بھی انہیں الیکشن میں بھگتنا پڑا، ان کے جانے کے بعد نوقائم شدہ تحریک انصاف کی حکومت کے قائد نے آتے ہی مدارس وجامعات سے انجینئرز وسائنسدان نکالنے کی نوید سنا کر قوم کو مسحور کرنے کی کوشش کی، حالانکہ اس اعلان کا مقصد سوائے مدارس کی حریت کے خاتمہ

کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس موضوع پر تو ان شاء اللہ زندگی رہی تو کسی اور موقع پر جامع تبصرہ تحریر کیا جائے گا۔ سردست میاں شہباز شریف کی حکومت کے منظور کردہ چیرٹی ایکٹ منظور شدہ 28 فروری 2018ء جس پر گورنر نے 7 مارچ 2018ء کو دستخط کیے اور 8 مارچ 2018ء پنجاب گزٹ میں صفحہ نمبر 36-6329 پر نشر ہوا، کے خدوخال اس کے اثرات ومضمرات اور دینی اداروں کو پہنچنے والے نقصانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ اس ایکٹ کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱)...... چیرٹی یعنی جملہ خیراتی ادارے جو پہلے سے رجسٹرڈ ہیں، اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ان کی رجسٹریشن منسوخ متصور ہوگی اور انہیں اس نئے چیرٹی ایکٹ کے تحت دوبارہ رجسٹرڈ ہونا ہوگا۔ واضح رہے کہ جملہ دینی مدارس، مساجد، مذہبی انجمنیں، رفاہی ادارے چیرٹی کے ضمن میں آتے ہیں اور اس قانون کا اطلاق ان سب پر ہوگا، چنانچہ اس ایکٹ میں خیراتی مقاصد کو بھی متعین کیا گیا ہے، ایسے گیارہ مقاصد بیان کیے گئے ہیں جن میں تعلیم وتعلم کا فروغ، غربت کی روک تھام، صحت وزندگی کے بچاؤ کی خدمت، کمیونٹی کی ترقی، فنی اور ثقافتی ورثہ کا فروغ، مطالعاتی سرگرمیاں، مذہبی وملی ہم آہنگی کا فروغ، ماحولیات کا تحفظ، ضرورت مندوں کی مدد وغیرہ شامل ہیں۔

۲)......اس ایکٹ کے تحت اداروں کی رجسٹریشن کے لیے ضروری ہوگا کہ درج ذیل دستاویزات محکمہ کو جمع کروائے جائیں۔

۳)......رجسٹرڈ ادارہ کو ایک ڈیکلریشن تیار کرنا پڑے گا، جس میں درج ذیل امور کو بیان کرنا ضروری ہوگا۔

(۱) معاونین کے نام وپتے (۲) عطیہ کی تجویز کردہ مقدار

(۳) فنڈ جمع کرنے والوں کے نام وپتے (۴) فنڈ وصول کرنے والوں کے نام وپتے

(۵) فنڈ جمع کرنے کے اہداف (۶) فنڈ رکھنے والے بینکوں یا افراد کے نام وغیرہ

۴)......اس مقصد کے لیے حکومت پنجاب ایک کمیشن تشکیل دے گی جو تین سے پانچ کمشنرز پر مشتمل ہوگا، اس میں چیئرمین شامل ہوگا جسے حکومت متعین کر سکتی ہے، اس مقصد کے لیے ریٹائرڈ وحاضر سروس سول سرونٹ یا ججوں یا پرائیویٹ افراد کو متعین قواعد وضوابط یا حکومت کی جانب سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق کمشنر مقرر کیا جا سکتا ہے، اس کمیشن کا چیئرمین ہوگا اور وہ انتظامی امور کے لیے چیف ایگزیکٹو مقرر کرے گا۔ کمیشن کی ذمہ داریاں درج ذیل ہوں گی۔

۱)......کمیشن ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے افعال سرانجام دے گا۔

۲)......خیراتی اداروں پر عوامی اعتماد کو برقرار رکھے گا۔

۳)......ان اداروں کو رجسٹرڈ کرے گا۔

۴)......اس بات کو یقینی بنانا کہ چیرٹی اور خیراتی فنڈ کی انتظامیہ ان کے کنٹرول میں قانون کے مطابق عمل کریں۔

۴)...... چندہ وصول کرنے والوں کی کڑی نگرانی کرنا اور احتساب کے لیے طریقہ کار متعین کرنا۔

۵)......اگر ضروری ہو تو چیرٹی یا خیراتی فنڈ کے معاملات میں انکوائری کرنا۔

۶)......ڈپٹی کمشنر کے ذریعے منظور شدہ مجموعوں کو تبدیل یا منسوخ کرنا۔

۷)......ان اداروں کی سالانہ آڈٹ رپورٹ حاصل کر کے ان کی جانچ پڑتال کرنا۔

۸)......کسی بھی ادارہ کا خصوصی آڈٹ کرانا۔

۹)......ان اداروں کے لیے مناسب اکاؤنٹنگ کا انتظام اور استعمال کے لیے ہدایات جاری کرنا۔

۱۰)......کمیشن کسی بھی چیرٹی، چیرٹی ٹرسٹی، چیرٹی سے فائدہ حاصل کرنے والے، کسی خیراتی فنڈ یا کسی کاروباری ادارہ کی جانب سے چیرٹی پر کیے جانے والے اخراجات کا ریکارڈ، ڈیٹا یا اس سے متعلق معلومات طلب کرسکتا ہے۔

۱۱)......کمیشن مالیاتی اداروں سے مالیاتی ریکارڈوں کی توثیق کرسکتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے۔

اداروں میں بے پناہ سرکاری مداخلت:

چیرٹی ایکٹ کی دفعہ نمبر ۸ کے تحت حکومت کی جانب سے مقرر کردہ کمیشن کسی ٹرسٹی (ادارہ کے عہدیدار یا رکن) یا کسی افسر (ناظم مالیات یا کوئی دیگر ملازم) یا کسی عہدیدار کا تقرر کرسکتا ہے، اگر چیرٹی کسی ٹرسٹی، افسر کو نکالنے میں اور اس کی جگہ کسی نئے کا تقرر کرنے میں ناکام ہو جہاں۔

A. کسی ٹرسٹی یا افسر کو بداخلاق، بددیانتی اور دھوکہ دہی کے جرم میں مجرم قرار دیا گیا ہو یا

B. کوئی ٹرسٹی بینک دیوالیہ قرار دیا جا چکا ہو

C. کسی ٹرسٹی یا افسر کا غلط عمل جو چیرٹی کے مجموعی مفاد کو نقصان پہنچائے یا عدالت یا کمیشن کی جانب سے دیگر وجوہ کی بنیاد پر۔

دفعہ نمبر ۹ کے تحت تحریر ہے کہ:

۱)......کمیشن بذات خود یا حکومت کی طرف سے درخواست پر یا کسی فرد کی جانب سے آمدہ شکایت پر چیرٹی کے معاملات میں دخیل ہو کر انکوائری کرسکتا ہے، تاکہ تحقیق کی جائے کہ کہیں کوئی خیراتی فنڈ غلط جگہ یا غلط مد میں صرف نہیں ہو رہا یا ایسا کوئی عمل جس سے اعتماد کو نقصان نہیں پہنچ رہا۔

L. اگر ذیلی دفعہ نمبر ۱ کے تحت انکوائری کے نتیجے میں کمیشن کو پتہ چلے کہ کسی بھی قانون کے تحت کسی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے یا کسی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے، تو اسے قانون کے مطابق نمٹنے کے لیے حکومت کے پاس بطور حوالہ (ریفرنس) بھیجا جا سکتا ہے۔

رجسٹریشن اتھارٹی:

دفعہ نمبر ۱۲ کے تحت

۱)...... ہر چیرٹی کمیشن کے ساتھ حکومت کی جانب سے بذریعہ نوٹیفکیشن مقرر کردہ تاریخ کے اندر اندر اپنے آپ کو رجسٹرڈ کروائے گا۔

۲)......کوئی چیرٹی اس وقت تک خیراتی فنڈ اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کرسکتی، جب تک وہ اس ایکٹ کے تحت اپنے آپ کو رجسٹرڈ نہیں کر لیتی۔

دفعہ نمبر ۱۵ کے تحت اس ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہونے کے لیے ہر تنظیم کو رجسٹریشن اتھارٹی کو چیرٹی کے مقاصد، ذرائع آمدنی، اخراجات کی نوعیت یا کوئی دیگر معلومات یا دستاویز جو کمیشن بعد میں مقرر کرے، فراہم کرنا ضروری ہوں گے۔ نیز رجسٹریشن اتھارٹی معقول وجوہات تحریری طور پر لکھنے کے ساتھ کسی تنظیم کو رجسٹرڈ کرنے سے انکار کرسکتی ہے، اگر چیرٹی کے اپنے ڈیکلریشن میں بیان کردہ اہداف اس کے خیراتی مقاصد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں یا کسی دوسری معقول وجہ سے۔

ادارہ کے نظام تک ہر ایک کی رسائی ہوگی:

دفعہ نمبر ۱۶ کے تحت

۱)...... چیرٹیز کا رجسٹر ایک عوامی دستاویز ہو گی جو کسی بھی معقول وقت میں عوامی انسپیکشن کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص چیرٹی کی جانب سے فراہم کردہ تمام دستاویزات / معلومات کمیشن کی جانب سے مقرر کردہ فیس کی ادائیگی کے بعد حاصل کر سکتا ہے۔

چندہ جمع کرنے پر پابندی:

ایکٹ کی دفعہ نمبر ۲۰ کے تحت طے ہے کہ

۱)...... کسی چیرٹی کا کوئی سفیر اس وقت تک نہ چندہ کرے گا اور نہ ہی اس کی اپیل کرے گا جب تک وہ مطلوبہ کلیکشن (جمع کرنے) سے قبل اس چندہ کے حوالے سے ایک اعلامیہ جاری اور اسے منظوری دینے والی اتھارٹی کے سامنے پیش نہ کرے اور منظوری دینے والی اتھارٹی اس چندہ کے حوالہ سے تحریری اجازت نہ دے دے۔

۲)...... منظوری دینے والی اتھارٹی اس شق کے تحت کسی منظوری دینے سے انکار کر سکتی ہے، اگر چیرٹی کے سفیر یا چندہ اکٹھا کرنے والے افراد خلوص نیت کے حوالے سے مطمئن نہ کر سکیں یا منظوری دینے والوں کو خیراتی فنڈ کے تحفظ یا جس مقصد کے لیے فنڈ اکٹھے کیے جانے ہیں، ان مقاصد میں انہیں لگانے کے حوالہ سے مطمئن نہ کیا جا سکے۔

۳)...... منظوری دینے والی اتھارٹی منظوری کو ایسی شرائط سے معلق کر سکتی ہے، جس سے فنڈ کے مناسب تحفظ اپنے مطلوبہ مقاصد میں اس کے استعمال کو یقینی بنایا جا سکے۔

۴)...... اگر منظوری دینے والی اتھارٹی چندہ کو جمع کرنے کی منظوری دیتی ہے، تو اس کو کسی خاص مدت کے لیے سفیر کے نام ایک سرٹیفکٹ جاری کرے گی جس سے وہ کمیشن کے مجوزہ قوانین کے مطابق مخصوص قابل شناخت چندہ اکٹھے کرنے والوں کے ذریعے مخصوص قابل شناخت رسیدوں کے ساتھ چندہ وصول کر سکیں گے۔

اداروں پر لاگو ہونے والی سزائیں:

دفعہ نمبر ۲۴ کے تحت درج ہے کہ:

۱)...... جائزہ یا آڈٹ کے بعد اگر کمیشن کو یقین ہو جائے کہ چیرٹی ایکٹ کے تحت متعین کی گئی ذمہ داریوں پر عمل کرنے میں ناکام رہا ہے تو کمیشن حسب ذیل کاروائی کر سکتا ہے۔

A. رجسٹریشن کی معطّلی یا منسوخی B. چیرٹی یا تنظیم پر جرمانہ عائد کر سکتا ہے جس کی مالیت دس لاکھ روپے سے زائد نہ ہو۔

چندہ کو کاروبار اور انشورنس میں لگانا متولی کی ذمہ داری ہو گی:

دفعہ نمبر ۲۷ کے تحت چیرٹی کے متولی کے ذمہ ہو گا۔

A. چیرٹی کے اثاثوں کا تحفظ B. خیراتی فنڈ کا تحفظ، مناسب سرمایہ کاری اور استعمال

E. چیرٹی کی جائیداد کی خرید و فروخت، اجارہ یا انشورنس کے معاملات کو دیکھنا۔

آڈٹ و معائنہ:

دفعہ نمبر ۳۰ کے تحت

۱)...... کمشنر یا منظوری دینے والی اتھارٹی کسی معقول وجہ پر کسی مخصوص آڈیٹر سے چیرٹی کے اکاؤنٹ کا آڈٹ یا ری آڈٹ (دوبارہ آڈٹ) کا حکم دے سکتے ہیں، جن کا خرچ چیرٹی یا وہ شخص ادا کرے گا جس نے چیرٹی کے خلاف خصوصی آڈٹ

کرنے کی درخواست دی ہو۔

۲)......کمشنر یا منظوری دینے والی اتھارٹی اس ایکٹ یا اس کے کسی قانون کے تحت چلنے والے کسی بھی اکاؤنٹ کا معائنہ کر سکتی یا کروانے کا حکم دے سکتی ہے۔

سزا:

دفعہ نمبر ۳۲ کے تحت

۱)......کوئی بھی شخص جو بے ایمانی، دھوکہ دہی یا فراڈ سے خیراتی فنڈ جس پر اس ایکٹ کا اطلاق ہے، کے جمع کرنے سے متعلق کسی بھی ریکارڈ کو چھپاتا ہے یا بددیانتی سے خراب کرتا ہے تو وہ ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے والا (مجرم) متصور کیا جائے گا۔

۲)......کوئی شخص جو اس ایکٹ کی کسی شق اس یکٹ کے تحت بننے والے احکام یا ہدایات کی حکم عدولی کرے تو اسے سزا کے طور پر جرم کی نوعیت کے اعتبار سے چھ ماہ تک پابند سلاسل کیا جاسکتا ہے، مگر یہ قید کی سزا پندرہ روز سے کم نہ ہوگی مزید اسے جرمانہ کے طور پر پچیس ہزار سے ایک لاکھ تک کی رقم بھی ادا کرنا ہوگی۔

دفعہ نمبر ۳۵ کے تحت اس ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے والے فرد سے عدالت غلط طریقے سے اکٹھا کیا گیا فنڈ ضبط کرسکتی ہے یا غلط طریقے سے خرچ کیا گیا فنڈ واپس وصول کر سکتی ہے۔

قارئین کرام!! یہ ہے چیرٹی ایکٹ ۲۰۱۸ کا خلاصہ ایکٹ کو تفصیلی طور پر پنجاب گزٹ صفحہ نمبر ۳۶-۶۳۲۹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا ایکٹ نیکٹا کے احکامات کی روشنی میں پنجاب اسمبلی سے منظور ہو کر قانون کی شکل اختیار کر چکا ہے، جبکہ باقی تین صوبوں میں بھی یہ قانون آنے والا ہے۔

مذکورہ بالا قوانین سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ حکومت پاکستان اپنے غیر ملکی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے بہر صورت پر عزم ہے، ایسے قوانین جن میں اداروں میں کھلم کھلا مداخلت ہو، سرکاری اداروں کے لیے بھی نہیں چہ جائیکہ خالص رفاہی تعلیمی ادارے حکومت سے ایک پائی کی امداد لینے کی بجائے اربوں روپے حکومت کو ٹیکس، بجلی، گیس، فون کی مد میں ادا کرتے ہیں انہیں جکڑ لیا جائے۔

اگر مذکورہ قانون پر مکمل عملدرآمد ہو جاتا ہے جیسا کہ حکومتی مشن ہے تو آیئے دیکھتے ہیں اس سے کیا کیا نقصانات رونما ہوں گے۔

۱)......مدارس و خیراتی ادارے غیر اعلانیہ طور پر حکومتی تحویل میں چلے جائیں گے، ان کی آزادی فکر و عمل سلب ہو کر رہ جائے گی۔

۲)......ادارہ (مدرسہ / مسجد / ٹرسٹ / رفاہی تنظیم) کی محنت کو جب جو چاہے گا کھلواڑ بنا کر رکھ دے گا، حکومتی اہلکاروں کی مداخلت نہ صرف رشوت ستانی کا بازار گرم کرے گی، بلکہ بیرونی عناصر، حاسد طبقات، علاقائی مخالفین کسی بھی ادارہ کو کام نہیں کرنے دیں گے۔

۳)......حکومتوں کی ان اداروں میں معاونت تو نہ کبھی ہوتی ہے اور نہ ہوگی، الٹا ایک ایک کام میں مداخلت سے کام ٹھپ ہو کر رہ جائیں گے۔

۴)......قربانی کی کھالوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کسی بھی فراہمی پر اعتراض لگایا جاسکتا ہے کہ یہ فراہمی حکومت سے منظوری کے بغیر ہوئی ہے، لہٰذا اس پر فوجداری مقدمات اور سزاؤں کا اہل مدارس کو سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ امسال بعض اہل مدارس کو بلا اجازت قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے پر ایک ایک سال سزا اور مبلغ پانچ پانچ لاکھ روپے جرمانہ کیا جارہا ہے۔

۵)......معاونین کے تفصیلی کوائف ایجنسیوں اور حکومتوں کی دسترس میں ہوں گے، جس کی وجہ سے غیر اعلانیہ طور پر انہیں تنگ کیا جائے گا، ان کی انکوائریاں ہوں گی، جیسا کہ پہلے خوف وہراس کا ماحول بنا دیا گیا ہے، نتیجتاً بچے کھچے لوگ بھی اپنی عزت وقار کے تحفظ کے لیے مدارس، مساجد اور رفاہی اداروں کو چندہ دینا بند کر دیں گے اور یہی اس چیرٹی ایکٹ کا مدعی ومنشاء محسوس ہوتا ہے۔

۶)......اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد حکومتی مشنری اس قدر بااختیار ہوگی کہ وہ جائز ناجائز وجوہ کی بنیاد پر ادارہ کے عہدیداران مثلاً مہتمم/ نائب مہتمم/ ناظم اعلیٰ/ خزانچی یا دیگر کسی عہدیدار کو از خود تبدیل کر دیں یا مجاز افسر یعنی ادارہ میں کام کرنے والے اکاؤنٹنٹ / ناظم/ محاسب وغیرہ کو بدل دیں یعنی حکومت کی جانب سے ادارہ میں افراد لاکر بٹھا دیں یہ سب اس بل کی بدولت ممکن ہوگا۔

۷)......اس سب کے ساتھ ایک بڑا اندیشہ اس الزام کا بھی ہے کہ چندہ صحیح معنوں میں تعلیم وتعلم پر خرچ نہیں ہو رہا، بلکہ ادارہ کی دیگر تبلیغی ضروریات مثلاً جلسہ جات، اشاعت کتب ورسالہ جات یا تبلیغی اجتماعات وغیرہ پر خرچ کر کے فرقہ واریت پھیلائی جارہی ہے یا یہ چندہ انتہا پسندی کو فروغ دے رہا ہے، اس سب پر چندہ کی ضبطی اور قانونی کاروائی کی تلوار بھی سروں پر موجود رہے گی۔

۸)...... مدارس کے وقف چندے جنہیں عام حالات میں کاروبار میں لگانا شرعاً ممنوع ہوتا ہے، بیوروکریسی کے ایما پر سرمایہ کاری بلکہ انشورنس تک میں لگا کر سود کا عنصر بھی مدارس اور اداروں کے ذرائع آمدن میں شامل کیا جائے گا۔

۹)......اب تک جملہ مدارس ۱۸۶۰ کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن ہوتے رہے اور یہ ایکٹ قدیمی موثر اور متفقہ تھا اس کا خاتمہ سمجھ سے بالا ہے۔ جبکہ ایسی مداخلت حکومت کی اپنی قائم کردہ یونیورسٹیوں، کالجز اور اداروں میں بھی نہیں چہ جائیکہ اپنی مدد آپ کے تحت چلنے والے اداروں میں یہ مداخلت ہو۔

۱۰)......ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت مدارس کی معاشی رگ کو بند کر کے مدارس پر قبضہ کر کے انہیں کوئی اور رنگ دینا چاہتی ہے، جو کام صدیوں سے انگریز اور ان کی معنوی اولاد نہ کر سکی اب اس حربہ سے موجودہ حکومتیں کر گزرنا چاہتی ہیں اس لیے عوام وخواص علماء کرام، سیاسی زعماء، صحافی حضرات، وکلاء اور تاجران سبھی کا فریضہ ہے کہ اس ظالمانہ قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ عدالت، پارلیمنٹ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، نیز پرامن عوامی احتجاج کا حق حاصل کریں۔ بصورت دیگر نہ صرف ملک سے دینی تعلیم کا خاتمہ ہو جائے گا، بلکہ دیگر رفاہی ادارے، ٹرسٹ، ہسپتال وغیرہ بھی بیوروکریسی کا کھیل بن جائیں گے۔

ضروری وضاحت

''نقیب ختم نبوت'' اگست 2018ء کے شمارہ میں صفحہ 31 پر ''میرے شاہ جی'' کے عنوان سے ''سمیع اللہ ملک'' کا ایک مضمون شامل اشاعت ہوا جو انٹرنیٹ پر ان کے نام سے موجود تھا، وہاں سے حاصل کر کے ادارہ نے شائع کر دیا۔ یہ مضمون درحقیقت ان کا نہیں بلکہ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری نشر واشاعت جناب ڈاکٹر عمر فاروق احرار کا ہے جس کے شروع میں چند جملوں کا اضافہ کر کے سمیع اللہ ملک صاحب نے مکمل مضمون اپنے نام سے شائع کر دیا جس کو غلطی سے نقیب میں شامل کیا گیا۔ احباب اس کی تصحیح کر لیں۔

''قادیانی مشیر'' ایک ناقابلِ قبول غلطی!

حکومت نے میاں عاطف کو برطرف کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے دل جیت لیے

راؤ محمد شاہد اقبال

تبدیلی کی حکومت اچھی ہے بلکہ بہت ہی اچھی ہے مگر اتنی بھی اچھی نہیں ہے کہ اس کی آڑ میں وزیر اعظم کی اقتصادی کچن کیبنٹ میں ایک قادیانی مشیر کو قبول کر لیا جاتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک کے معاشی حالات انتہائی دگرگوں ہیں اور ہمیں اپنی معاشی پالیسیوں پر نظرِ ثانی کر کے ملکی خزانہ کو ایک بار پھر ڈالرز سے بھرنا ہے مگر اس قیمت کی ادائیگی پر نہیں بھرنا کہ ایک قادیانی مشیر کو ملکی خزانہ کا دربان بنا دیا جائے۔ بلاشبہ ہمیں اپنے ملک کو معاشی طور پر ایک سپر پاور بنانے کے لیے دنیا کے قابل ترین معاشی ماہرین کی ایک ٹیم کی اشد ضرورت ہے لیکن اتنی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ذہانت کے دھوکہ میں آ کر کسی عالی دماغ قادیانی کو مشیر قبول کر لیا جائے، ہمیں اپنے وطن عزیز میں اقلیتوں کی جان، مال، عزت و آبرو سب کا تحفظ کرنا ہے اور انھیں اپنے شانہ بشانہ رکھ کر انھیں تحفظ کا احساس دلانا ہے، لیکن اقلیت کو ایسا احساس تحفظ بھی نہیں دلانا کہ ملک کی اکثریت ہی عدمِ تحفظ کا شکار ہو جائے اور اقلیت کی چھتری تلے ایک قادیانی مشیر کو قبول کر لیا جائے، اس تو تولاکھ درجے بہتر یہ ہوگا کہ ایک عیسائی، ایک ہندو اور ایک سکھ ماہرِ معیشت کو وزیر اعظم پاکستان کا مشیر مقرر کر دیا جائے تاکہ اقلیت کے ہر طبقہ میں ہماری اقلیت نوازی کا پیغام پہنچ جائے۔

وفاقی وزیر اطلاعات فواد چودھری کی باتیں بہت اچھی ہیں اور ہمیں یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی عار نہیں کہ آپ سے اچھی وزارتِ اطلاعات کم از کم تحریکِ انصاف میں تو کوئی اور دوسرا نہیں چلا سکتا لیکن خدارا میاں عاطف کے مشیر بننے پر تنقید کرنے والوں کو یہ تو نہ بتائیں کہ قائدِ اعظم محمد جناح نے بھی ایک قادیانی سر ظفر اللہ خان کو پاکستان کا وزیرِ خارجہ مقرر کیا تھا، یہ بات تو ہم سب پہلے ہی سے جانتے ہیں لیکن کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ خان نے قائدِ اعظم کے اس احسان کے جواب میں قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور جب ان سے قائدِ اعظم کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو ان کا کہنا تھا کہ: ''یوں سمجھئے کہ میں ایک مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیرِ خارجہ ہوں یا ایک غیر مسلم ریاست کا مسلم وزیر خارجہ''۔

اس جواب سے یہ تو بالکل صاف ہو جانا چاہیے کہ قادیانی ہم پاکستانیوں کو کیا سمجھتے ہیں جبکہ تحریک انصاف کے رہنماؤں کے لیے یہ بات جاننا بھی از حد ضروری ہے کہ میاں عاطف صرف ایک قادیانی ہی نہیں بلکہ وہ ایک مرتد قادیانی ہے۔ اس بات کا انکشاف خود میاں عاطف نے مجلس خدام احمد یہ امریکہ کے تحت شائع کی گئی کتاب ''بائی دی ڈانز ارلی گلوری لائٹ'' میں کیا ہے، اس کتاب میں میاں عاطف نے اپنے والدین کی ناراضی کا ذکر کرنے کے علاوہ اسلام کے خلاف دشنام طرازی بھی ہے، اس کتاب میں ان امریکیوں کی کہانیاں بھی شائع کی گئیں جو ارتداد یعنی مرتد ہونے کے بعد قادیانی بنے یا جنھوں نے دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر قادیانیت قبول کی۔ میاں عاطف کی اپنی کتاب کے مطابق میاں عاطف 1974ء میں نائیجیریا میں پیدا ہوا اور پرورش پاکستان میں ہوئی، 3 بہنوں کے بعد والدین کی پہلی نرینہ اولاد

ہونے کی وجہ سے اسے خوب لاڈ پیار ملا، اس نے والدین کے ایماء پر امریکی تعلیمی اداروں میں داخلے کی درخواستیں بھیجیں۔ میسا چوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں اسے داخلہ مل گیا اور یوں وہ 1993ء میں امریکہ پہنچ گیا، جہاں انھیں اپنے سکول کے پرانے دنوں کا ایک دوست حامد شیخ مل گیا۔ یہ اسے 8 برس سے جانتا تھا لیکن یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایک قادیانی ہے، حامد شیخ کی فراہم کردہ کتب اور بتائے گئے ویب ایڈریسز سے ہی میاں عاطف کو قادیانیت کو سمجھنے میں مدد ملی۔ میاں عاطف نے 2001ء میں شکاگو یونیورسٹی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر پہلی نوکری کا آغاز کیا۔ بوسٹن میں قیام کے دوران اس نے مسلم علماء کے پیچھے نماز پڑھنے سے بچنے کے لیے مساجد جانا چھوڑ دیا۔ قادیانی عبادت گاہ دور تھی اور کار نہ ہونے کی وجہ سے وہ وہاں نہ جا سکتا تھا۔ شکاگو میں قیام کے دوران کار کے ملنے کے بعد اسے قادیانی عبادت گاہ تک آسان رسائی مل گئی جہاں اس نے جمعہ کے جمعہ جانا شروع کر دیا۔ میاں عاطف نے 2002ء میں قادیانیت کا فارم بھر دیا اور اس وقت سے لے کر وہ آج تک مجلس خدام احمدیہ کا متحرک کارکن ہی نہیں بلکہ اہم ترین رہنما بھی ہے اور سب سے زیادہ خطرناک بات تو یہ ہے کہ میاں عاطف قادیانیوں کے حالیہ خلیفہ یا سربراہ مرزا مسرور احمد کا مالیاتی مشیر بھی ہے یعنی قادیانیوں کا مشیر خزانہ بھی یہی موصوف ہے۔ کیا ایسے شخص کے ہاتھ میں پاکستان کی معاشی پالیسیاں ترتیب و تنظیم کی ذمہ داری دینا خطرناک نہیں ہیں۔

وزیراعظم عمران خان کے حسن ظن سے پوری قوم بخوبی کو آگاہ ہے، ہم بھی ان سے نیک گمان رکھتے ہیں کہ انھوں نے میاں عاطف کو مشیر بنانے کا فیصلہ جان بوجھ کر یا کسی غیر ملکی طاقت کے دباؤ میں آ کر نہیں کیا ہوگا، بلکہ یہ فیصلہ کسی غلطی سے ہوا ہوگا، لہٰذا دیر آید درست آید کے مصداق حکومت نے اس ''نا قابلِ قبول غلطی'' کو سدھارنے کا سنہری موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اس قادیانی مشیر کو برطرف کو برطرف کرنے کا فیصلہ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے دل جیت لیے ہیں، ضرورت اب اس امر کی ہے حکومت آئندہ سے قادیانیت کے فتنے سے بچ کر عوامی خدمت کا سلسلہ جاری رکھے۔ کیونکہ یہ وہ پھندہ جس نے میاں نواز شریف کی 35 سالہ اقتدار کی پوری بساط ہی الٹ کر رکھ دی تھی جبکہ پی ٹی آئی حکومت کو تو ابھی 2 ماہ بھی نہیں ہوئے اس لیے ذرا تفکر سے کام لے کر قدم آگے بڑھائے جائیں، اسی میں ملکی سلامتی کا راز پنہاں ہے۔ حقیقت میں ایسا کرنے سے ہی پاکستانی قوم کا ''نئے پاکستان'' کا خواب صحیح معنوں میں شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔ بقول بشیر بدر؎

''مجھے ایسی جنت نہیں چاہیے، جہاں سے مدینہ دکھائی نہ دے''

(مطبوعہ: ندائے ملت، 13 تا 19 ستمبر 2018ء)

not found.

مسئلہ احمدیت: بے سوچے سمجھے بولنے لکھنے والے

ڈاکٹر شہزاد

فرض کریں میں بوقت قیامِ مملکتِ اسرائیل وہاں اسرائیل کا شہری ہوتا۔ وہ لوگ مجھے اپنے شہری کے طور پر ملازمت میں لے لیتے، میں ترقی کرتے کرتے وہاں کا چیف جسٹس بن جاتا۔ اس حیثیت میں وہ لوگ، جی ہاں وہاں کے یہودی، اپنے مُلک کی تعمیر وترقی کے لئے قانون دانوں کے کسی مجمع میں خطاب کی دعوت دیتے تو میں ڈنکے کی چوٹ پر بقائمی ہوش وحواس انہیں تجویز دیتا کہ اس مملکت کی بقا عبرانی زبان کے احیا میں مضمر ہے۔ لہٰذا اس زبان کو اسرائیلی قانون کی زبان بنایا جائے تبھی اسرائیل کے ساتھ وفا ہوگی۔ تبھی اسرائیل مضبوط ہوگا۔ یہ کہنے سے نہ تو میرا ایمان خطرے میں پڑتا اور نہ میں دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا اور یہی کام مغربی ممالک کی شہریت رکھنے والا ہر مسلمان کر رہا ہے۔ یہ کام کوئی بعید از فہم نہیں ہے۔ یہ ایمانی نہیں ایک عقلی نسخہ ہے۔ یہی کام کوئی ساٹھ سال قبل پاکستان کے اس وقت کے مسیحی چیف جسٹس جناب اے۔ آر۔ کارنیلیئس نے کیا تھا۔ آپ اُن کی تحریریں پڑھ لیں۔ چھپی ہوئی موجود ہیں۔

فرماتے ہیں: ملک کے تمام لا کالجوں میں داخلے کے لئے عربی زبان پر عبور ضروری قرار دیا جائے اور یہ کہ قانون کی تعلیم کے لئے ضروری ہو کہ ہر لا کالج میں شعبہ اسلامک جیورپروڈنس ہو اور قانون کی جملہ تعلیمات کا محور یہی شعبہ ہو۔ یہ کچھ کہنے کے بعد بھی جناب کارنیلیئس کیتھولک مسیحی ہی رہے اور اسی حیثیت میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ادھر اپنے ملک میں ”پڑھے لکھوں“ کا ایک ہجوم ہے جو لفظ نظریہ پاکستان سنتے ہی حواس کھو بیٹھتا ہے اور کہلاتا پھر بھی مسلمان ہے۔ میرے علم میں دُنیا کا کوئی ایک ملک ایسا نہیں ہے، جس کا کوئی نظریہ نہ ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں لفظ نظریہ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے دیگر ممالک میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ امریکہ کی نسبت سے اگر کوئی کہے کہ ”نظریہ امریکہ کا تقاضا ہے کہ“ تو بات بظاہر عجیب سی ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ امریکہ نامی ملک کسی نظریے کے بغیر ہوا میں معلق ہے تو ایسے شخص کو اپنے علمی مرتبے پر نظر ثانی کر لینا چاہیئے۔ ذرا امریکہ میں جا کر کوئی کہہ کر دیکھے کہ شہریوں کو حاصل مطلق اور مادر پدر آزاد قسم کی آزادی ذرا غیر اسلامی قسم کی ہے۔ لہٰذا میں امریکہ میں بطور امریکی شہری رہ کر اس آزادی کے خلاف اپنا ”حق آزادی“ استعمال کرتا ہوں تو پھر دیکھتے ہیں کتنے گھنٹے وہ جیل سے باہر رہتا ہے۔ پاکستان میں مقیم ہندو، سکھ، مسیحی اور دیگر چند چھوٹے چھوٹے مذاہب کے ماننے والے نہ صرف اپنے بارے میں یکسو ہیں، بلکہ وہ پاکستان کو مسلمانوں کا اسلامی مُلک تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ میں ججوں کا ایک گروپ سپریم کورٹ میں لے گیا۔ ضلعی عدلیہ کے افراد بالخصوص دور دراز علاقوں میں تعینات ججوں کے لئے چیف جسٹس آف پاکستان سے ملنا ایک تاریخی لمحہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ ہم انہیں ترجیحی بنیادوں پر وہاں لے جایا کرتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو جناب چیف جسٹس افتخار محمد چودھری صاحب نے ملاقات سے معذرت کی اور دیگر دو ججوں کو ملاقات کرنے کی ہدایت کی۔ الگ بات ہے کہ میں نے اپنے طریقے استعمال کر کے انہیں بعد میں دفتر سے نکلوالیا۔ وہ ہمارے ساتھ شریک ہوئے۔ البتہ اس نشست سے جناب جسٹس رانا بھگوان داس صاحب نے خطاب کیا۔ خطاب سے قبل انہوں نے پورے اہتمام کے ساتھ

تلاوت قرآن پاک کرائی۔اسے احترام سے سنا اور اسلامی قانون کے بارے میں بڑی مفید باتیں کیں۔

جو لوگ آج کل احمدیوں کے خود ساختہ وکیل بنے ہوئے ہیں، ان سے کوئی مذہبی، کوئی عقیدے پر مبنی اور علم الکلام والا سوال نہیں ہے۔سادہ سا قانونی، بلکہ آئینی سوال ہے کہ 1974ء کے بعد ہونے والے کسی انتخاب میں کسی احمدی نے کبھی قومی یا صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا ہو تو مجھے اس کا نام ای میل کر دیں۔صرف 1974ء میں ایک دفعہ قومی اسمبلی میں بشیر طاہر نامی شخص اور پنجاب اسمبلی میں ایک اور شخص اقلیتی احمدی نشستوں پر بھٹو صاحب کی کوششوں سے آئے۔ جماعت احمدیہ نے البتہ ان دونوں حضرات سے لاتعلقی اور اُن کی اسمبلی رکنیت سے برأت کا اعلان کر دیا تھا۔اس کے بعد احمدی جماعت میں سے کوئی شخص کسی اسمبلی میں آج تک نہیں آیا، نہ بذریعہ انتخاب نہ خصوصی نشستوں پر! بھلا کیوں؟ وجہ صرف ایک ہے۔یہ لوگ پاکستان کے آئین کو تسلیم نہیں کرتے۔اِس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی مالیاتی یا پانی کی تقسیم کا کوئی آئینی مسئلہ ہے، بلکہ اِس لئے کہ یہ لوگ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ہم مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور اس باب میں پاکستان کا آئین ان کے عقیدے کے خلاف ہے لہٰذا وہ کبھی کسی انتخاب میں حصہ نہیں لیتے۔یہ ہے مدعی کا دعویٰ! جس کسی کو یقین نہ آئے وہ کسی احمدی سے جا کر تصدیق تکذیب کر لے۔اور یہ بات ان کے خلیفہ نے 1974ء میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں برملا کہی تھی۔جس کسی نے بھی اس حالیہ قضیے میں اس ماہر معیشت کا نام اقتصادی کونسل کی رکنیت کے لئے ڈلوایا، دل کی گہرائی سے اس کا شکریہ! حالت یہ تھی کہ والدین اپنی ذمہ داریاں بھول کر اولاد کو بس انگریزی سکھانے میں لگے ہوئے تھے۔اولاد کو نہ تاریخ پاکستان کا پتہ تھا اور نہ اکابر تحریک پاکستان کی خبر۔مذہب تو بس صرف ''شدت پسندوں'' کا مسئلہ رہ گیا تھا۔دِل اِس لئے خوش ہوا کہ ایک احمدی کا نام ایک معمولی سی جگہ پر آنے کی دیر تھی، سوئی ہوئی مخلوق بیدار ہوگئی۔نئی نسل کے جس کسی کو اس ناسور کا علم نہیں تھا، ایک نئی بحث شروع ہو جانے پر اسے معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ کون ہیں، ان کا عقیدہ کیا ہے اور پاکستان کے آئین کی بابت ان کا نقطۂ نظر کیا ہے۔جب مَیں نے اخبار میں لکھنا شروع کیا تھا تو اوّل دن سے مَیں نے اپنے لئے چند رہنما اصول طے کئے تھے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ اپنی بات مثبت انداز میں بس بیان کرنا ہے۔کسی سے اُلجھنا یا اختلاف نہیں کرنا۔ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر بیان کرے۔میں کسی کے نظریے پر کیوں حرف زنی کروں؟ آج مجھے اپنے اس اصول سے اِس لئے انحراف کرنا پڑ رہا ہے کہ بہت سے لکھنے والے آج کل ایک ایسے مسئلے پر بے تکان بولے یا لکھے جا رہے ہیں، جس پر انہیں نہیں بولنا چاہئے۔جماعت احمدیہ کے یہ خود ساختہ وکیل آج کل احمدیوں کے حق میں کبھی انسانی حقوق کے نام پر تو کبھی اقلیتوں کے حوالے سے عجیب عجیب بے سروپا باتیں لکھ یا بول رہے ہیں، جن سے کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ ان کے عقیدہ ختمِ نبوت پر زد پڑ رہی ہوتی ہے۔ابھی آج ہی ایک صاحب نے واٹس ایپ پر جو کچھ بھیجا ہے، ملاحظہ ہو:

''ٹیکہ لگوانے سے پہلے ڈاکٹر کا عقیدہ پوچھ لیجئے اگر وہ احمدی ہو تو اس سے ٹیکہ ہرگز نہ لگوائیں ورنہ ختمِ نبوت پر سے ایمان جاتا رہے گا''۔

اس طرح جگتیں بنانے والے دو طرح کے لوگ ہیں: ایک تو وہ لوگ جن کا کچا پکا علم ہوتا ہے۔اخبار میں رہ کر اخباری ضروریات کے مطابق اور بڑوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے باعث کچھ لکھنا سیکھ گئے ہیں۔ان کی تحریریں عام اُردو پڑھنے والوں میں خاصی مقبول ہوتی ہیں۔یہ لوگ لکھنے والوں کے اس طبقے سے ہیں جو پروین شاکر کے بقول: ''بستی میں جتنے تھے آب گزیدہ وہ سب کے سب/دریا کا رُخ بدلتے ہی تیراک ہوگئے'' ابھی کل تک ایک کالم نگار صاحب پچھلی حکومت کے گیت گا رہے تھے۔آج

تحریک انصاف والے ان کی تحریریں چوم چوم کر پڑھ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کچھ بھی لکھوالیں۔ ان کی کچھ قیمت ہے، بس وہ ادا کر دیں۔ نہ ادا کریں تو بھی یہ لوگ پھیری والوں کی طرح صدائیں لگاتے رہتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن گاہک آ ہی جاتا ہے۔ یہ لوگ میرے پیش نظر نہیں ہیں۔ محدود ذہن، محدود ترجیحات اور لامحدود خواہشات وضروریات کے باعث یہ لوگ نہ کوئی بات جانتے سمجھتے ہیں اور نہ ان کی لامحدود خواہشات وضروریات ان کو کچھ سمجھنے کے رخ پر جانے کی اجازت دیتی ہیں۔ محترمہ آپا نثار فاطمہ کا بیٹا بھی اگر میرٹ کے نام پر احمدیوں کا وکیل بن بیٹھا ہے تو کوئی تعجب نہیں ہوا۔ اسے پتہ ہے کہ اقتدار کی راہداری میں داخلے کا دروازہ عورتوں کے حقوق اور اقلیتوں کی جائز وناجائز وکالت سے عبارت ہے۔ یہ معجون مغربی دنیا کا دیا ہوا ہے۔ دوسرے لکھنے بولنے والے وہ لوگ ہیں جو الہامی راہنمائی سے روشنی لینا تو در کنار اسے الہامی سمجھتے ہی نہیں۔ یہ طبقہ نہ صرف پڑھا لکھا اور ذہین ہے، بلکہ کہنے کی حد تک مکالمے کا داعی ومبلغ بھی کہلاتا ہے۔ دن رات جمہوریت کے حق میں بولیں لکھیں گے، لیکن جمہور جس بات پر ایمان رکھیں، جس کے حق میں ووٹ دیں، اگر وہ بات ان کے نظریات سے متصادم ہو تو پھر کون سا مکالمہ اور کون سے جمہور؟ عجب تماشا ہے کہ مُلک کے تمام مکاتب فکر، تمام سیاسی جماعتیں بشمول مرحوم بھٹو جیسا مغرب زدہ یکسو ہو کر بیک زبان احمدیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیتے ہیں اور یہ سیکولر اور لبرل کہلانے والے اسے ”آئینی جھول“ قرار دیں۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ لوگ جمہوریت کا نقاب لے لیتے ہیں۔ اس میں پہچان لئے جائیں تو انسانی حقوق کا چھاتا لے لیتے ہیں۔ جگر مرادآبادی سے لے کر پیچھے غالب تک کون سا نامی گرامی ادیب شاعر گزرا ہے جو بادہ خوار نہ رہا ہو، لیکن اُن لوگوں نے نشے کی حالت میں بھی کبھی شعائر اسلام کی تضحیک نہیں کی۔ ادھر ایک صاحب کو ہر دوسرے تیسرے ماہ دورہ پڑتا ہے۔ کبھی وہ ثقافت کے نام پر کبھی آزادی رائے اور کبھی سیاحت کے پردے میں شراب کی کھلے عام خرید وفروخت کے وکیل بن کر آتے ہیں۔ یہ کام مری بروری کے غیر مسلم مالک نے بھی کبھی نہیں کیا، جس کا کام ہی شراب کی تیاری ہے۔

گزشتہ چند برسوں سے ذرائع ابلاغ میں سیکولر یا سیکولرزم اور لبرل یا لبرلزم کے اُردو ترجمے پر کئی تحریریں پڑھنے کو ملتی رہی ہیں۔ ان الفاظ کا ترجمہ ہر معاشرے اور ہر ملک کے لئے الگ ہوتا ہے۔ برطانیہ ایک سیکولر مُلک اور لبرل معاشرہ ہے۔ اس پس منظر میں وہ نہ صرف مساجد کے لئے کھلے دِل سے جگہ اور سہولت بہم پہنچاتے ہیں، بلکہ پتہ کر لیجئے دینی مدارس چلانے کے لئے وہاں کھلے دل سے سرکاری امداد بھی دی جاتی ہے۔ اب ان مذکورہ الفاظ کا ترجمہ پاکستان میں ہرگز نہیں چل سکتا۔ میری ذاتی رائے میں پاکستان کے تناظر میں مذکورہ بالا الفاظ کا صحیح ترین ترجمہ منافق یا منافقت ہے۔ ہندو کو اپنے ہندو ہونے کا پتہ ہے ہمیں بھی پتہ ہے۔ ہندو ہمارے قانون کے لئے اتنا ہی محترم اور قیمتی ہے جتنا کوئی دوسرا مسلمان شہری ہے۔ وہ کبھی کسی احمدی کی وکالت نہیں کرے گا، لیکن یہ منافق لوگ نہ ملکی آئین کو تسلیم کریں۔ نہ عامۃ الناس کی خواہشات کا احترام کریں۔ نہ ان لوگوں کے خلاف بولیں، بلکہ ان کے حق میں بولیں جو آئین کے دشمن ہوں۔ قارئین کرام! کیا ایسے لوگوں کو سیکولر یا لبرل جیسا پاکیزہ، جی ہاں برطانیہ کے تناظر میں پاکیزہ، عنوان دینا کیا اس لفظ کی توہین نہیں ہے؟ اور اگر یہ لوگ منافق نہیں ہیں تو پھر منافق اور کون لوگ ہوتے ہیں؟ میرے لئے جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیئس ان منافق لوگوں کی نسبت لاکھوں درجے بہتر ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اے۔ آر۔ کارنیلیئس اور جناب جسٹس رانا بھگوان داس صاحب کا حساب کرتے وقت انہیں کسی ایسے زمرے میں رکھے، جو احمدیوں کے ان لبرل اور سیکولر وکلا سے کوسوں دور اور مسلمانوں کے کیمپ سے قدرے قریب ہو، آمین۔ اسی سے ملتی جلتی دعا سید صلاح الدین مدیر تکبیر نے جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیئس کی وفات پر کی تھی۔ (مطبوعہ: روزنامہ پاکستان 10 ستمبر 2018)

ملتان کا سفر اور کچھ دیر کتابوں کے درمیان

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

''کتابیں اہلِ علم کا حقیقی سرمایہ ہوتی ہیں''۔ اس قول کا عملی مشاہدہ گزشتہ ہفتے ملتان کے ایک کتب خانہ کو دیکھنے پر ہوا۔ بہت عرصہ پہلے مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا مدظلہٗ نے بتایا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے کتب خانے کا کیٹلاگ تیار ہورہا ہے۔ پھر جب یہ خوش خبری ملی کہ کتب خانہ کمپیوٹرائزڈ ہو چکا ہے تو کتب خانہ دیکھنے کا اشتیاق مزید بڑھ گیا۔ مولانا اللہ وسایا سے رابطہ ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ آپ یہاں تب آئیں کہ جب میں ملتان میں موجود ہوں، تاکہ آپ کو اِستفادہ کرنے میں آسانی ہو۔ اِس دوران میں نواسۂ امیر شریعت محترمی سید محمد کفیل بخاری حفظہٗ اللہ بھی مولانا سے مسلسل رابطے میں رہے۔ بالآخر مجھے حضرت شاہ صاحب نے مطلع فرمایا کہ مولانا سے 6,7,8 محرم الحرام کے ایام طے ہوگئے ہیں۔

شاہ جی لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، میں بھی تلہ گنگ سے لاہور پہنچ گیا۔ رات دفتر احرار لاہور میں قیام ہوا اور صبح شاہ جی کی معیت میں ملتان کا سفر شروع ہوگیا۔ چیچہ وطنی جناب عبداللطیف خالد چیمہ مرکزی ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام کا مستقر ہے۔ اِن دنوں وہ علیل ہیں، ان کی بیمار پرسی کے لیے چیچاوطنی (ضلع ساہیوال) میں پڑاؤ ہوا۔ اُن کی عیادت اور اہم مشاورت کے بعد ظہر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی، دفتر میں کھانا کھایا اور وہاں سے رخصت ہوکر ملتان کے راستے پر ہو لیے۔ ڈاکٹر محمد آصف ناظم شعبہ دعوت واِرشاد مجلس احرار اسلام کی خوش گفتاری سے فاصلے کی طوالت کا احساس ہی نہ ہوا اور ہم ملتان پہنچ گئے۔

رات کو خانوادۂ امیر شریعتؒ کے مرکز دارِ بنی ہاشم میں قیام ہوا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزندار جمند، قائدِ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم اِن دنوں صاحبِ فراش ہیں۔ بہت کمزور ہو چکے ہیں، چند قدم چلنا بھی دشوار ہو چکا ہے۔ اُن کی بیمار پرسی کی اور دعائیں لیں۔ 6 محرم الحرام کی صبح کو ختم نبوت کے دفتر مرکزیہ میں مولانا اللہ وسایا ہمارے منتظر تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ وہاں حاضری دی۔ مولانا اللہ وسایا سے مل کر احساس ہوا کہ ابھی پرانے وقتوں کے لوگ موجود ہیں۔ اُن کی شفقت ومحبت، والہانہ استقبال اور بے تکلفانہ سلوک نے ہمارے عزم و حوصلہ کو مہمیز دی۔ اللہ اُن کی عمر میں برکت دے، ایسے مشفق بزرگ اب قصۂ ماضی بنتے جاتے ہیں۔ اُن کا وجود غنیمت ہے۔ وہ مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد حیات، مولانا لال حسین اختر اور مولانا تاج محمود رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بزرگوں کی تربیت اور صحبتوں سے فیض یافتہ ہیں۔ لذتِ کام و دہن سے فارغ ہوئے تو مولانا اللہ وسایا نے پوچھا کہ کام کہاں سے شروع کیا جائے۔ مجھے مجلس احرار اسلام کی تاریخ سے متعلق مطبوعہ کمیاب کتب ورسائل اور اخبارات کی ضرورت تھی، کیونکہ میں احرار کی تاریخ اور اُس کی بپا کردہ تحریکوں پر تحقیقی و تصنیفی کام کررہا ہوں۔ اِس لیے کتب دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مولانا

نے کتب خانہ کے ایک کارکن بھائی مولانا محمد وسیم کو کمپیوٹرائزڈ فہرست دکھانے کے لیے کہا۔ سلیقہ و ترتیب سے تیار شدہ فہرست سے استفادہ کرنے میں بہت آسانی ہوئی۔ مطلوبہ کتب میسر آئیں تو اُنھیں فوٹو سٹیٹ کرالیا۔ بعد ازاں مجلس احرار کے اخبار روزنامہ ’’آزاد‘‘ لاہور، اور ہفت روزہ ’’الفضل‘‘ سہارنپور کے بعض شماروں کی اہم خبروں کے موبائل سے فوٹو لیے۔

کتب خانے میں مسلسل تین روز آمد و رفت رہی اور طبیعت خوش ہوئی کہ بیشتر مطلوبہ مواد یہاں سے میسر آ گیا اور یہ سب مولانا اللہ وسایا کی شفقت، کتاب دوستی اور علم سے محبت کا نتیجہ تھا۔ بعد ازاں اُن سے کتب خانے کے حوالے سے بات ہوئی تو اُنھوں نے بتایا کہ مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ کی امارت کے زمانے میں کتب خانہ کا کام بغیر کسی کے کہنے پر میں نے محض اپنے شوق سے سنبھالا اور پھر حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کے دور میں تمام ذمہ داری میرے سپرد ہو گئی۔ قیمتی، نادر و نایاب کتب کو اکٹھا کرنا مولانا اللہ وسایا کی ذاتی دلچسپی اور محنت کا مرہون منت ہے۔ انھوں نے ایک ایک ورق اکٹھا کیا اور اب یہ عظیم کتب خانہ 25 ہزار کتب اور نادر اخبارات و جرائد پر مشتمل ہے۔ جس سے فائدہ اٹھانے کی اہلِ علم کو مکمل آزادی اور سہولت ہے۔

یاد رہے کہ اس کتب خانہ میں موجود احرار کے ترجمان روزنامہ ’’آزاد‘‘ اور ہفت روزہ ’’الفضل‘‘ کے فائل دراصل مولانا تاج محمودؒ (بانی مدیر ’’لولاک‘‘) کی ذاتی لائبریری کا حصہ تھے جو مولانا تاج محمود کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے صاحبزادہ طارق محمودؒ نے عطیہ کیے تھے۔ یہ علمی ایثار و قربانی کی ایک قابل تقلید مثال ہے۔ اِس کردار کا تسلسل ہی ایسی تاریخی امانتیں محفوظ ہاتھوں کو سونپ سکتا ہے، وگرنہ نااہل اولادوں اور ناخلف ورثا کے ذریعے انتہائی قیمتی کتب کے ضائع ہو جانے کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ پاکستان میں کئی ایسے ذاتی کتب خانے بھی ہیں کہ اُن سے کسی کو نفع اٹھانے کی کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے اور انہیں دیمک چاٹ رہی ہے۔ حالانکہ علم کا فروغ صدقۂ جاریہ ہے۔ اگر ذاتی کتب خانوں کو قابلِ اعتماد اِداروں کے سپرد کر دیا جائے تو جہاں علمی سرمایہ محفوظ ہو جاتا ہے، وہاں اہلِ علم کو علمی پیاس بجھانے کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔

مجلس احرار اسلام تحریکِ آزادی اور تحفظ ختم نبوت کی سرخیل جماعت ہے۔ اب اللہ کے فضل و کرم سے میرے سمیت مختلف احباب احرار کی تاریخی خدمات کو مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ اِس سلسلہ میں ملک بھر کے اُن تمام احباب سے گزارش ہے کہ جن کے پاس مجلس احرار اسلام کے اخبارات روزنامہ ’’مجاہد لاہور‘‘، ’’روزنامہ ’’احرار‘‘ لاہور، روزنامہ ’’آزاد‘‘ لاہور، ہفت روزہ ’’الفضل‘‘ سہارنپور سمیت احرار کی طرف سے تقسیم ہند سے پہلے شائع ہونے والے کتابچے، قراردادیں، خطبات، خطوط اور تصاویر وغیرہ موجود ہوں تو ازارہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔ اگر ممکن ہو تو اُن کی فوٹو سٹیٹ کرا کے بھجوادیں، ورنہ حکم فرمائیں، ہم خود حاضر ہو کر اِستفادہ کریں گے۔ اسی طرح یہ تاریخی ریکارڈ محفوظ ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کا حوصلہ افزا جواب ہماری ہمت و حوصلے کو مزید بڑھانے کا باعث بنے گا اور اُن کے تعاون سے اکابر کی جدوجہد کی تاریخ مرتب ہو کر آنے والی نسلوں کی تربیت و تہذیب کا باعث بنے گی۔

Email: omartlg@yahoo.com / 0300-5780390: واٹس ایپ نمبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مسلمانوں کے جذبات

مولانا زاہدالراشدی

سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی محبت واحترام کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کی اور کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ اور یہ جناب رسول اللہ کا اعجاز ہے کہ جس کا ان کے ساتھ ایمان وعقیدت کا تعلق قائم ہوگیا اس کے لیے دنیا کی ہر چیز ہیچ ہوگئی اور باقی سب رشتوں اور تعلقات کی کشش ثانوی حیثیت اختیار کرگئی۔ اس میں نیک اور گنہگار کا کوئی فرق نہیں، جو نیکی اور تقویٰ میں سب سے آگے ہے اس کی محبت اور عقیدت کا بھی وہی عالم ہے اور اس محبت اور عقیدت میں فاسق وفاجر بھی کسی سے کم نہیں رہے۔ عمل کی دنیا اور ہے اور عشق ومستی کی دنیا کا منظر اور ہے بلکہ ہمیشہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ کے ساتھ محبت وعقیدت کے عملی اظہار کا موقع پیش آیا تو گنہگار اور بے عمل مسلمان اس اظہار میں سبقت لے گئے اور ان کے جذبہ وجنون کی دنیا ہی الگ دکھائی دی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں جناب رسول اکرمؐ کے ساتھ عقیدت اور محبت کے اس جذباتی اظہار میں اپنی بے عملی اور گناہوں کا کفارہ بھی دکھائی دینے لگتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اور عقیدت تو جذبہ وجنون اور اطاعت ووفاداری دونوں سے عبارت تھی۔ اس لیے اس کا رنگ سب سے الگ تھا اور اسی وجہ سے زمانہ ہمیشہ ان کی کوئی مثال لانے سے قاصر رہا ہے۔ مگر اس عقیدت ومحبت کے اظہار کا انداز جدا جدا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے اس دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں: جناب نبی اکرمؐ کے چہرہ انور کی زیارت کرتا رہوں، میرا مال نبی اکرمؐ پر خرچ ہوتا رہے اور میری بیٹی نبی اکرمؐ کے نکاح میں ہو۔

مگر حضرت عمرو بن العاصؓ کی محبت کا اندازہ اس سے مختلف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے کوئی دریافت کرے کہ حضرت محمد رسول اللہؐ کے چہرۂ انور اور حلیہ مبارک کی کیفیات بیان کروں تو نہیں کرسکوں گا، اس لیے کہ زندگی بھر آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہیں پایا۔ جب کافر تھا تو اس قدر نفرت تھی کہ نظر ڈالنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور جب مسلمان ہوا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رعب اتنا تھا کہ آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ یہ اظہارِ محبت اور احترام وادب کے اپنے اپنے انداز ہیں، وارفتگی کی ایک ایسی قدرِ مشترک ہے کہ جس نے سب کو محبت وعقیدت کے بے مثال رشتے میں پرو رکھا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو کفار مکہ سے مذاکرات کے لیے بھیجا گیا اور وہ مکہ مکرمہ میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ گھوم رہے تھے کہ ان کے خاندان کے ایک فرد نے کہا کہ عثمانؓ! آپ نے اپنی چادر اور تہہ بند کو ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک اٹھا رکھا ہے جو یہاں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اس وقت کی جاہلی ثقافت میں تہہ بند کا زمین کے ساتھ گھسٹنا بڑائی کی علامت سمجھا جاتا تھا اور چادر کا ٹخنوں سے اوپر اٹھائے رکھنا مزدوروں اور نوکروں کی علامت تصور ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ پر ان کے دوستوں نے یہ اعتراض کیا مگر حضرت عثمانؓ نے کمال بے نیازی کے

ساتھ اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ مجھے لوگوں کے طعنوں کی کچھ پروا نہیں اس لیے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم چادر اسی طرح باندھتے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ معروف کمانڈروں میں سے تھے، ایک جنگ کے موقع پر دشمن فوج کے کمانڈروں کے ساتھ کسی معاملے میں مذاکرات کر رہے تھے کہ کھانے کے دوران ان کے ہاتھ سے لقمہ پھسل کر دسترخوان پر گر گیا انہوں نے بلاتکلف اسے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ یہ وہاں کی ثقافتی روایات کے مطابق عیب کی بات تھی کہ ہاتھ سے گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لیا جائے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہنی مار کر اس طرف توجہ دلائی تو بڑی بے پروائی سے جواب دیا کہ کیا میں ان احمقوں کے طعنے کے خوف سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟

حضرت خبیب بن عدیؓ انصاری صحابی تھے، بدر کے غزوہ میں ان کے ہاتھوں قریش کا ایک شخص حارث بن عامر قتل ہوا تھا، یہ ایک موقع پر کافروں کے کسی گروہ کے ہتھے چڑھ گئے اور ان سے حارث بن عامر کے بیٹوں نے انہیں خرید لیا تاکہ ان سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے سکیں۔ پھر مکہ مکرمہ لے جا کر انہیں کچھ دن قید میں رکھا اور ایک روز اعلان کر کے انہیں قتل کرنے کے لیے کھلے میدان میں لے گئے کہ لوگوں کے سامنے انہیں قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھا سکیں۔ بعض تاریخی روایات میں آتا ہے کہ اس موقع پر کسی قریشی سردار نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری جگہ آج محمد ہوتے تو تمہاری جان بچ سکتی تھی۔ یہ سن کر رونے لگے اور کہا کہ تم یہ کیا بات کر رہے ہو؟ خدا کی قسم مجھے سو بار زندگی ملے اور ہر بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جاؤں یہ مجھے منظور ہے لیکن میری سو جانوں کے بدلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے مجھے یہ برداشت نہیں ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب جہاد کا پہلا حکم قرآن کریم میں نازل ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے انہیں حکم سنایا اور جہاد کی تیاری کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ مہاجر صحابہ کرامؓ نے آنحضرت کو وفاداری اور اطاعت کا یقین دلایا مگر آپ انصارِ مدینہ کا ردِعمل معلوم کرنا چاہتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں، ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح نہیں ہیں جو یہ کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا رب جا کر دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، ہم آپ کے آگے لڑیں گے، پیچھے لڑیں گے، دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے۔ روایت میں ہے کہ یہ بات سن کر جناب رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔

یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت و عقیدت اور اطاعت و وفاداری بے مثال تھی اسی لیے وہ قیامت تک امت مسلمہ کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن عقیدت اور جاں سپاری کا یہ جذبہ تسلسل کے ساتھ امت میں چلا آ رہا ہے اور اسی کی ایک جھلک یہ ہے کہ یورپ کے بعض اخبارات کی طرف سے جناب نبی اکرمؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی پر پوری امت مضطرب ہو گئی ہے اور ساری دنیا میں مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں تڑپ اٹھے ہیں۔ دنیا کو شکایت ہے کہ مسلمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے جذباتی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بات جو دنیا والوں کے نزدیک شکایت کی ہے، مسلمانوں کے نزدیک اعزاز کی بات ہے کہ یہی جذباتیت ان کے ایمان کی بنیاد ہے اور ان کی روحانیت کا اثاثہ ہے۔ اس پر دو واقعات قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

''شہیدانِ ناموسِ رسالت'' نامی ایک کتاب کے حوالے سے میں نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ جون ۱۹۹۹ء کے دوران برطانیہ کے شہر مانچسٹر کے کسی سکول میں ''مشہور مذہبی شخصیت'' کے عنوان پر طلبہ وطالبات میں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ کسی مسلمان لڑکی نے اپنی تقریر میں بار بار نبی اکرم کا نام لیا مگر بے خیالی میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نہ کہہ سکی۔ دو چار بار ایسا ہوا تو ہال میں ایک لڑکی کھڑی ہوگئی اور بلند آواز سے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ یہ سکول کے قواعد کی سخت خلاف ورزی تھی، اس لڑکی کو ہال سے باہر لے جایا گیا اور سکول کے اساتذہ کے ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس لڑکی نے ہچکیوں اور سسکیوں میں یہ جواب دیا کہ جو کوئی شخص ہمارے پیارے نبی کا نام لیتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہے، میں اس پر کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتی۔ آپ کا نام سن کر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا میرا ایمانی فریضہ ہے، اس فریضے کی ادائیگی سے مجھے ڈسپلن کے نام پر نہیں روکا جا سکتا۔

یہ مانچسٹر کے کسی سکول میں تعلیم حاصل کرنے والی ایک بچی کے جذبات ہیں مگر اس سے زیادہ ایمان افروز واقعہ ''مضامینِ شورش'' میں آغا شورش کاشمیری کے حوالے سے اختر شیرانی مرحوم کے بارے میں مذکور ہے۔ اختر شیرانی اردو زبان کے بڑے شاعروں میں سے تھے، رومان اور شباب کے شاعر تھے اور بلانوش تھے۔ آغا صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ ایک بار عرب ہوٹل میں محفل جمی ہوئی تھی، اختر شیرانی مرحوم شراب کی دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ رہا تھا، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا حتیٰ کہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے، ادھر انا کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ اس دوران مختلف شخصیات کے بارے میں ان سے دریافت کیا جاتا رہا اور وہ اپنے ذوق کے مطابق جواب دیتے رہے۔ اس موقع پر ایک نوجوان نے ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوال کر دیا کہ آپ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس سے آگے آغا شورش کاشمیری کے قلم سے ہی ملاحظہ کیجئے:

''اللہ اللہ! ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ کہنے لگے، بدبخت! ایک عاصی سے سوال کرتا ہے۔ ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے۔ ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا گھگھی بندھ گئی۔ پھر فرمایا بدبخت! تم نے اس حال میں یہ نام کیوں لیا، تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ، بے ادب! باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار! اس شریر سوال پر توبہ کرو، میں تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہوگئے، اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے بات کو موڑنا چاہا مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسے مجلس سے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہے، کہتے تھے کہ یہ لوگ اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنانا چاہتا ہے۔''

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج کا اخبار آ گیا اور امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش کے دہلی کی ایک تقریب میں خطاب کے حوالے سے ان کا یہ ارشاد نظر سے گزرا کہ وہ پاکستان کے حکمرانوں سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ اور پاکستان کے کلیدی اشتراک پر بات چیت کریں گے جس کا مقصد سخت گیر نظریات کی طرف لوگوں کو مائل ہونے سے روکنا ہے۔ سچی بات ہے صدر بش کی یہ بات پڑھ کر ان کے بھولپن پر مجھے ہنسی آ رہی ہے کہ اختر شیرانی کی قوم سے وہ کس بات کی توقع کر رہے ہیں! (نشرِ مکرّر) (اشاعتِ اول: ۶ / مارچ ۲۰۰۶ء روزنامہ ''پاکستان'' لاہور)

صحابیات رضی اللہ عنہن کا ذوقِ عبادت

مولانا محمد غیاث الدین حسامی

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے مقصد زندگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے انسانوں اور جنات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے (الذاریات: ۶۵)۔ یہی بات ایک حدیث قدسی میں کچھ تفصیل کے ساتھ ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تمھیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ تم تنہائی میں میرے انیس بنو اور نہ اس لیے کہ قلت میں تمھارے ذریعے میں کثرت حاصل کروں، اور نہ اس لیے کہ تنہا ہونے کے باعث کسی کام کرنے سے عاجز ہو کر میں تمھاری مدد کا طلب گار بنوں اور نہ اس لیے کہ تمھارے ذریعہ کوئی نفع حاصل کروں یا کسی مضرت کو دفع کروں، میں نے تو تمھیں اس لیے پیدا کیا کہ تم زندگی بھر میری بندگی اختیار کرو، کثرت سے میرا ذکر کرو اور صبح وشام میری تسبیح پڑھتے رہو۔ (عبادت کا حقیقی مفہوم: ۴۳، مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

عبادت کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کے ہر فرد بشر سے ایک مضبوط عہد لیا ہے، جسے قرآن مجید نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، اس لیے کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے (سورۂ یٰسین: ۶۰۔۶۱)۔ لیکن انسان گردشِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس وعدۂ خداوندی کو بھول گیا اور ایک خدا کی عبادت کی بجائے کئی خداؤں کی عبادت کرنے لا اور ہر ذی یا ثر چیز کو خدا کا درجہ دے دیا۔ اس کی اسی غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں اور نزولِ کتب کا سلسلہ شروع کیا، جس کے ذریعہ پوری انسانیت کو ایک اللہ سے کیے ہوئے اس وعدے کو یاد دلایا اور انھیں بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف پھیر دیا، ان نیک فطرت نبیوں اور رسولوں کا اپنی قوم کے لیے ایک ہی نعرہ تھا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارے لیے کوئی معبود نہیں ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی بہت سے احادیث میں عبادت کی بہت تاکید گئی ہے اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے مقصدِ زندگی (عبادت) میں کامیاب ہوگا وہی رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے گا اور جو ناکام ونامراد ہوگا، وہ رب کی ناراضگی کی وجہ سے عذاب وعقاب کا مستحق ہوگا، اس لیے بندے کی اصل کامیابی حکمِ الٰہی اور طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عبادت کرنے میں مضمر ہے اور جو بندہ عبادت وبندگی کے علاوہ دوسرے طریقہ میں کامیابی کا طلب گار ہوگا، اُس کے لیے ناکامی لکھ دی گئی ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ ابتداءِ اسلام سے آج تک عبادت وبندگی کے اس حکم پر جہاں مردوں نے عمل کیا ہے وہیں عورتیں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہیں۔ خالقِ کائنات کی رضا جوئی کے لیے جہاں مرد اپنی راتوں کو عبادت سے مزین کیے رہے ہیں وہیں عورتوں نے بھی اطاعت وبندگی کے ذریعہ اپنی راتیں سجائیں اور اپنے مولیٰ سے ہم کلامی کے لیے شب بیداری اور آہِ سحرگاہی کا معمول بنایا۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے جذبہ کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوا کرتے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والی ازواجِ مطہرات بھی پورے شوق وجذبہ کے ساتھ

فریضۂ بندگی بجالاتیں۔ جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین طریقۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عبادت کیا کرتے وہیں صحابیات رضی اللہ عنہن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق عمل کرتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والی تھیں، چاشت کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں، رمضان المبارک میں تراویح کا خاص اہتمام کرتیں، اکثر روزے رکھا کرتیں، پورے جذبہ کے ساتھ ہر سال برابر حج ادا کرتیں، غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتیں۔ (شرح بلوغ المرام)

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ انھیں عبادتِ الٰہی سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، رمضان شریف کے علاوہ ہر مہینہ میں تین روزے پابندی کے ساتھ رکھا کرتی تھیں، اطاعتِ خداوندی ہر عمل میں صاف نظر آتا تھا، جہاں اوامر کی بے حد پابند تھیں وہیں نواہی سے بچنے کا التزام کرتی تھیں۔ (ابن سعد)

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی دین دار، پرہیز گار، حق گو اور سخی خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حد درجہ خشیتِ الٰہی کا غلبہ تھا، ان کی عبادت وزہد کا ذکر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاصابۃ'' میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر موجود تھیں، انھوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں آئی، انھوں نے ذرا تیزی سے حضرت زینب کو دخل دینے سے منع کیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انھیں کچھ نہ کہو، یہ اوّاہ (خدا سے ڈرنے والی) ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی بڑی عبادت گزار اور زاہدانہ زندگی گزارنے والی خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اکثر عبادت وبندگی میں مشغول پاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھر سے باہر جاتے یا گھر تشریف لاتے تو انھیں اپنے رب سے راز ونیاز کرتے ہوئے پاتے، ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبح کے وقت اپنے گھر کی مسجد (نماز کی جگہ) میں عبادت کرتے ہوئے دیکھا، پھر ضروریات سے فارغ ہو کر آئے تو بھی اسی حالت میں ان کو پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ہمیشہ اسی طرح عبادت کرتی رہتی ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات پڑھا کرو، ان کو تمھاری نفل عبادت پر ترجیح حاصل ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ

(مسند احمد، حدیث جویریہ بنت الحارث، حدیث نمبر: ۳۳۰۸۔ ناشر موسسۃ الرسالۃ)

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بارہ رکعات نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی سن رہی تھیں، اس کے بعد پوری زندگی یہ بارہ رکعات ان کے معمول میں رہیں کبھی ان کو ترک نہیں کیا۔

(مسند احمد، حدیث ابی موسیٰ الاشعری، حدیث نمبر: ۱۹۷۰۹۔ ناشر موسسۃ الرسالۃ)

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تہجد گزار اور کثرت سے روزے رکھنے والی تھیں، خوفِ الٰہی سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہتی تھیں، زبان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی تھیں اور ساتھ ساتھ خدا

کا ذکر بھی کرتی جاتی تھیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہتی تھیں، وہ چکی پیستے وقت بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا عبادت کرتی تھیں لیکن گھر کے کام میں کوئی فرق نہیں آنے دیتی تھیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کو صبح سے شام تک اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی حمد وثنا کرتے اور دعائیں مانگتے دیکھا کرتا تھا اور یہ دعائیں وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مانگتی تھیں، عبادت کرتے وقت آپ کا نورانی چہرہ زرد ہو جاتا تھا، جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی یہاں تک کہ اکثر مصلیٰ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری رات نماز میں گزار دیتی تھیں، بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی عبادتِ الٰہی کو ترک نہیں کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی رضا جوئی اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ان کے رگ وریشے میں سما گئی تھی۔ (سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما عبادت وبندگی میں شہرہ رکھتی تھیں، نہایت درجہ کی عابدہ اور زاہدہ تھیں، کثرتِ عبادت ان کا خصوصی وصف تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، بہت سی صحابیات بھی شریکِ نماز تھیں، ان میں حضرت اسماء بھی شامل تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کوئی گھنٹے طویل کیا، حضرت اسماء کی طبیعت کچھ کمزور تھی، تھک کر چُور رچُور ہو گئیں لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں، جب نماز ختم ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں، چہرے اور سر پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آئیں۔ (بخاری شریف، باب صلوٰۃ النساء مع الرجال فی الکسوف، حدیث نمبر:۱۰۵۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نہایت پرہیز گار اور عبادت گزار تھیں، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ پیر اور جمعرات کو ہمیشہ روزہ رکھا کرتی تھیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی عبادتِ الٰہی سے کافی شغف رکھتی تھیں اور ساری رات عبادت اور نماز پڑھنے میں گزارتی تھیں۔ ان کا تذکرہ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت خولہ کا ادھر سے گزر ہوا تو حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خولہ ہے، جو پوری رات عبادت میں گزارتی ہے اور رات بھر سوتی نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں؟ پھر فرمایا کہ انسان کو اتنا ہی کام کرنا چاہیے جسے وہ ہمیشہ نباہ سکے (مسند احمد، مسند عائشہ، حدیث نمبر:۲۵۶۳۲، ناشر موسسۃ الرسالۃ)

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر شکایت کرنے لگیں کہ ان کے شوہر انھیں نماز پڑھنے کی بنا پر سختی کرتے ہیں، جب میں روزہ رکھتی ہو تو میرا روزہ بھی تڑوا دیتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن معطل سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہیں اور میں انھیں اس سے منع کرتا ہوں اور روزہ تڑوانے کی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ نفلی روزے رکھنے پر آتی ہیں تو رکھتی ہی چلی جاتی ہیں جو میرے لیے تکلیف دہ ہے۔ (مسند احمد، مسند ابی سعید خدری، حدیث نمبر:۱۱۰۸۰۱)

(مطبوعہ: ماہنامہ ”الابرار“ کراچی، اگست ۲۰۱۸)

رنگِ سخن

پروفیسر محمد اکرام تائبؔ

اس خدائی کے بھی اُوپر اک خدائی چاہیے
رہنماؤں کو بھی اب تو رہنمائی چاہیے

صاف ہیں گلیاں محلے تن بھی اُجلا ہے بہت
دل مگر میلا ہے اس کی بھی صفائی چاہیے

اب تو کُتّے ، چیل ، کوے ، خر ، کھلا ڈالتے ہیں
جو حرام اُن کو کہے ایسا قصائی چاہیے

جس میں بھوسہ، چاک مٹی چھان بورا تک نہ ہو
مرچ ، ہلدی کی ہمیں ایسی پسائی چاہیے

جامعہ کے فارغ التحصیل بھی فارغ ہیں اب
ہم کو واشر مین بننا اور نائی چاہیے

کون کہتا ہے کہ مکھن اور گھی نکلے ، مگر!
تھوڑی سی تو دودھ پر آنا ملائی چاہیے

کار ، بنگلہ ، کارخانہ ، بنک بیلنس بھی بہت
اور پٹواری کو اب کتنی کمائی چاہیے

یہ غریب و بے نوا بھی ہم سے ہی انسان ہیں
ان کو بھی کپڑا ، مکاں ، روٹی ، دوائی چاہیے

ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا بھی ہے ظلم
گر زباں منہ میں ہے تو دینا دُہائی چاہیے

زندگانی کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہو
اپنے ہاتھوں میں بھی کشکول گدائی چاہیے

ہم نے مانا تین سو کا ہی سوٹ ہے تائبؔ ، مگر
ہم کو لیکن آپ سے نو سو سلائی چاہیے

سانس

عمر کو ہر اک سانس گھٹاتی رہتی ہے
موت کی جانب ہاتھ بڑھاتی رہتی ہے

کٹ کر گِر پڑتے ہیں جیون پیڑ سب
آری یہ ہر وقت چلاتی رہتی ہے

خوش ہو کر ہم لوگ منائیں سال گرہ
کتنا احمق ہمیں بناتی رہتی ہے

دنیا کا یہ کھیل فقط اک سانس کا ہے
آتی جاتی سانس بتاتی رہتی ہے

سانس چلے تو دنیا ناچے ڈھولک پر
رک جائے تو اشک بہاتی رہتی ہے

سانس رکے تو چھوڑ کے سب کچھ چل دیں ہم
مفت میں دنیا عمر کھپاتی رہتی ہے

دنیا ایک سرائے ، قبر ہے گھر اپنا!
ہر پل یہ پیغام سناتی رہتی ہے

دل کی دھڑکن بند نہ تائبؔ ہو جائے
رکتی چلتی سانس ڈراتی رہتی ہے

احرار اور تحریکِ کپورتھلا (۱۹۳۳ء)

ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ

[زیرِ نظر مختصر رسالہ پہلی مطبوعات کی طرح ہی جماعتی تاریخ کے ایک خاص گوشہ کی نقاب کشائی کے لیے قلم بند ہوا ہے۔ صورتحال کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں جبکہ مجلس احرار اسلام اپنی پہلی عظیم الشان انقلاب انگیز قومی اور سیاسی جدوجہد ''تحریک کشمیر'' سے فارغ ہوئی اور ریاستی حکومت انگریزی گورنمنٹ کے توسط سے اکابرِ احرار کے ساتھ گفتگو کے ذریعہ مصالحت کر چکی تھی اور زعماء کے علاوہ ہزارں رضا کار رہا ہو کر جیلوں سے باہر آ چکے تھے۔ اس دوران میں پنجاب کی مشہور ہندو ریاست ''کپورتھلا'' کے حکام نے اپنی پیشرو حکومت کشمیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلم رعایا کو عموماً اور مسلمان کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کو ہندو ساہوکاروں اور جاگیرداروں کا دائمی محتاج و محکوم رکھنے کے لیے ان پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ لادا، ان کی مجبوری کو انکار و نافرمانی کا عنوان دے کر جھوٹے پروپیگنڈے کی مہم چلائی تاکہ بیرونِ ریاست کے عوام اصل حقائق سے بے خبر رہیں اور اس آندھی کی اوٹ میں غریب مسلمانوں پر ظلم و تشدد، قید و بند اور لاٹھی گولی کی قیامت برپا کر دی۔

حسنِ اتفاق سے ریاست میں ایک بہت ہی معزز و بارسوخ مسلمان راجپوت گھرانا مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھا، جناب چودھری عبدالعزیز بیگووالیہ مرحوم اس کے رکنِ رکین تھے، انھوں نے انسانی، اخلاقی اور اسلامی جذبات و مقتضیات فطرت سے متاثر ہو کر نیز جماعتی تعلق و ربط کے زیر اثر مجلس کے منشور و دستور کے عین مطابق جوابی تحریک کی داغ بیل ڈالی، مسلمان کسانوں کو پرچمِ احرار کے زیرِ سایہ منظّم کیا۔ شریف اور معتدل مزاج ہندوؤں کی اخلاقی ہمدردیاں حاصل کیں، جماعتی اجتماعات سے عوام کا حوصلہ بڑھایا، راجا کو عرض داشتیں لکھ کر متوجہ کیا، اس کے وزراء اور افسران و حکام کے رعب داب اور فرضی تحفظ و قوت کے قلعہ کو اخباری اور تقریری پروپیگنڈے کی بمباری سے متزلزل کیا۔ جواباً ریاست کے معزز احرار رہنما کو سب سے پہلے قید و بند کے لیے چن کر خوف و ہراس پیدا کرنے کی حکومتی سیاست کا مشہور و معروف قدیم حربہ استعمال کیا گیا، اس پر احتجاج شروع ہوا اور تحریک عوامی رنگ اختیار کرنے لگی۔

یہ پنجہ آزمائی احرار کے منشاء کے مطابق تھی کیونکہ اسی ذریعہ سے جماعت کو ریاستی معاملات میں دخل انداز ہو کر عوامی نمائندگی اور تحریک کا موقع میسر آ رہا تھا۔ ایسے مواقع پر مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے مشہور و مقبول عوامی کارکن اور سیاسی مبصر جناب ماسٹر تاج الدین انصاری کو بالعموم جائزہ لینے بھیجا کرتے تھے، چنانچہ محترم ماسٹر صاحب سیاسی فوج کشی کے لیے ریاست کے ناکے پر واقع اپنے مستقر اور مورچہ جالندھر سے کپورتھلا تشریف لے گئے۔ اُن پر کیا بیتی؟ پھر تحریک نے کیا رخ اختیار کیا؟ انتہائی خشک موضوع کے ضمن میں بے حد خوش گوار انداز تحریر کے ذریعہ یہ دلچسپ، مؤثر اور تربیت افزا معلوماتی داستان اس کتابچہ میں ملاحظہ کیجیے۔ باقی تحریک کا نتیجہ یہ تھا کہ بالآخر حکومت کو اصولی مطالبات ماننے پڑے، احرار رہنما اور کارکن رہا ہو گئے، کشمیر کے بعد کپورتھلا پر بھی جماعت کی دھاک بیٹھ گئی اور دوسری تمام خصوصاً ہندو ریاستوں کے مقتدرین آئندہ کے لیے اپنے معاملات میں محتاط اور چوکس ہو گئے لیکن جنگِ آزادی کو اس محاذ پر نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور مہاراجگان اور والیانِ ریاست کی صورت میں انگریز کی یہ سیکنڈ ڈیفنس لائن مستقل خدشات سے دوچار ہو گئی۔

(جانشین امیرِ شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ)

(۱۷ر نومبر ۱۹۶۸ء)

تحریکِ کپورتھلا:

خدا جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، وہ جس سے جو کام چاہے لے لیتا ہے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ چاہے تو تنکے سے شہتیر کا کام لے لے، اس کے کاموں میں کسی اور کا دخل نہیں ہوتا۔ مفکرِ احرار جناب چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ ''تاریخ احرار'' کی ترتیب میں مصروف تھے، وہ چاہتے تھے کہ چند واقعات جن کا میری ذات سے تعلق تھا، لکھ کر اُن کے سپرد کردوں، مگر میں ان کی اس خواہش کو اہمیت نہ دے کر ہمیشہ ٹالتا رہا۔ ٹال مٹول سے تنگ آکر ایک روز چودھری صاحب فرمانے لگے: ''تم مجھے مجبور کررہے ہو کہ میں تمھاری نسبت جو رائے رکھتا ہوں، اس پر نظرِ ثانی کروں۔'' اس مرحلے پر ضروری سمجھتا ہوں کہ مفکرِ احرار کے بارے میں کچھ عرض کردوں۔ مرحوم ومغفور باغ وبہار طبیعت کے مالک تھے۔ غصہ انھیں بہت کم آتا تھا، وہ بیگانوں پر بھی خفا نہیں ہوتے تھے۔ جب کبھی اپنے رفقاء یا کارکن کسی غلط رائے پر اڑ جائیں اور بار بار سمجھانے کے باوجود ان کی رائے سے اتفاق نہ کریں تو انھیں چند منٹ کے لیے غصہ بھی آجاتا تھا۔ میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے اپنے محبوب رہنما کے غصے سے پالا پڑا۔ جیسا کہ بارہا عرض کرچکا ہوں، میرے دل میں چودھری صاحب مرحوم ومغفور کے لیے بے پناہ عقیدت ومحبت اور احترام موجود تھا۔ میں انھیں غصے کی حالت میں دیکھ کسی قدر گھبرا کر سپر انداز ہوگیا اور اہم واقعات قلم بند کرنے پر آمادگی کا اظہار کردیا، وہ کچھ نرم پڑ گئے اور فرمانے لگے: ''میرے تقاضا کی اہمیت کو سمجھو، میری بات کو سمجھو، میں دو ماہ سے ان مسودات کو سینے سے لگائے پھرتا ہوں، میں نھیں نذرِ آتش کردوں گا، اگر تم اس مرتبہ بھی ٹال مٹول سے کام لوگے۔ جب بھی لاہور آتے ہو، میری بات کو سنی اَن سنی کرکے ٹال جاتے ہو، کمرہ بند کرکے بیٹھ جاؤ۔'' یہ فرمایا اور اپنے خاص خادم حاجی نور محمد مرحوم کو آواز دے کر کہنے لگے: ''دیکھو یہ اندر بیٹھ کر لکھنے لگیں تو تم باہر سے کنڈی لگا دینا، میں اوپر جا رہا ہوں۔''

میں کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کیا کروں؟ بہت دیر سوچتا رہا۔ بالآخر دل نے یہی فیصلہ کیا کہ میں معذرت لکھوں۔ میں نے لکھا:

محترم چودھری صاحب!

''میں آپ بیتی لکھنے سے اس لیے قاصر ہوں کہ مجھے آپ بیتی لکھنے میں خودستائی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ میں اس بارے میں کس قدر کمزور واقع ہوا ہوں۔ میں جس انداز سے تحریکات میں کام کرتا ہوں، اگر میں وہ سب طور طریقے لکھ دوں تو میرے پلے کیا باقی رہ جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنے سے مخالف مسلح ہو جائے اور میں شہرت کے ہاتھوں بالکل ناکارہ ہوکر رہ جاؤں گا۔ گمنامی مضبوط قلعے کا کام دیتی ہے، شہرت سیاسی کارکن کو مشکلات میں الجھا دیتی ہے۔ شہرت یافتہ کارکن کی حیثیت مستعمل کارتوس کی ہوجاتی ہے۔ میرے ہاتھوں قدرت جب کوئی اچھا کام لیتی ہے تو آپ میری پیٹھ ٹھونک کر حوصلہ افزائی کردیتے ہیں، میں اسی نشے میں مست رہتا ہوں۔ گمنام رہوں گا تو زیادہ آسانی سے کام کروں گا، شہرت میرے ایسے کمزور انسان کو لے ڈوبے گی۔''

یہ میری معذرت تھی جو میں نے لکھ کر میز پر رکھ دی۔ مرحوم بالاخانے سے نیچے اتر کر کمرے میں آئے تو میں نے تحریری معذرت ان کی خدمت میں پیش کردی۔ چودھری صاحب مرحوم نے میری معذرت پڑھی اور ہنس کر فرمانے لگے:

''واہ رے میرے صوفی! کسی خانقاہ میں بیٹھ کر ہُو حق کا ورد کیوں نہیں کرتے؟'' میں خاموشی سے ان کی باتیں سن کر گل محمد بنا بیٹھا رہا۔ میرے اس رویہ پر معترض یہ معقول اعتراض کر سکتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی خونچکاں داستان ''سرخ لکیر'' کے نام سے کیسے لکھی گئی؟ یہ اعتراض اپنی جگہ بالکل درست ہے مگر میں یہاں بھی اپنے آپ کو بے بس پاتا تھا۔ اس لیے کہ چودھری صاحب مرحوم و مغفور میرے دماغ کو حکم دیتے تھے۔ شورش کاشمیری میرے عزیز ترین رفقاء میں سے تھے۔ وہ میرے دل سے باتیں کر کے اسے اتنا ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ دل نے دماغ کو تابع کر لیا اور میں ''سرخ لکیر'' لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ ''سرخ لکیر'' بھی اس خونی داستان کی مکمل تصویر نہیں ہے۔ میں وہاں بھی اکثر واقعات کو غچہ دے گیا ہوں۔ اس لیے کہ ان واقعات میں مجھے خودستائی کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ آج میرے خیالات اور میری رائے میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے، یہ تبدیلی صرف اسی قدر ہوئی ہے کہ میں چند واقعات کو نہایت احتیاط سے سپرد قلم کر دوں۔

چل میرے خامے بسم اللہ:

حافظہ کی طنابوں سے ماضی کو حال کی جانب کھینچ لانا بہت مشکل کام ہے۔ ماضی بعید کا کھینچ لانا تو اور بھی کٹھن ہے۔ اللہ کے بھروسے پر کوشش کرتا ہوں، وہ امداد فرمائے تو کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ غالباً فروری کا مہینہ تھا، یہ شاید ۱۹۳۲ء کی بات ہے۔ ان دنوں تحریک کپورتھلا احرار کے گلے کا ہار بن چکی تھی۔ کپورتھلا ریاست کے جابر، متکبر، منتقم اور ظالم حکام نے ہمارے رفیق چودھری عبدالعزیز آف بیگووال مرحوم کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دے کر جیل میں بند کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کی جذباتی اور برساتی سیاسی جماعتیں جو تحریک کپورتھلا میں سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے شامل ہوئی تھیں، تحریک کا زور کم ہونے پر ایک ایک کر کے کھسک گئیں۔ احرار مستقل مزاجی سے ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔

ریاستی دنیا ہماری دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہاں حکام اور عوام ہمارے حکما اور عوام سے طبعاً مختلف ہوتے ہیں۔ ریاست کپورتھلا کے اندر اور باہر عوام کا جذبہ کچھ سرد پڑ گیا تھا مگر ریاستی حکام بالکل چوکس تھے۔ چودھری افضل حق خدا انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور جنت میں بہتر جگہ دے۔ (آمین) وہ تحریک کپورتھلا کی صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ اس پریشانی سے ان کی صحت پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ میں ان دنوں وطن مالوف لدھیانہ میں مقیم تھا۔ دوپہر کی گاڑی سے چودھری صاحب کا پیغام لے کر لاہور کا ایک رضا کار آیا اور کہنے لگا مجھے حکم ملا ہے کہ میں آج ہی شام کی گاڑی سے آپ کو لاہور لے چلوں۔ چودھری صاحب نے سخت تاکید فرمائی ہے۔ تعمیلِ ارشاد کے لیے میں رات کو لاہور پہنچ گیا۔ مرحوم کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر فرمایا سو جاؤ، صبح اٹھ کر مجھے تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ صبح اٹھے تو چودھری صاحب کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ وہ رات کو پریشانی اور فکر مندی کے باعث سو نہ سکے تھے، بے حد متفکر نظر آتے تھے۔ بات شروع ہوئی تو وہ کپورتھلا کا قصہ دہرانے لگے اور فرمایا کہ: ''ہم اس تحریک میں الجھ کر رہ گئے ہیں، مجلس احرار کی عاملہ کا معزز رکن جیل میں ہے، ہم سب باہر ہیں۔ ریاست کے فرعون مزاج حکام منتقمانہ جذبہ سے کام لے رہے ہیں۔ اب ہمارے لیے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ یا تو ہم سب اسی جیل میں جا بیٹھیں جہاں ہمارا معزز رفیق محبوس ہے، یا بے حیا بن کر اپنی سیاسی موت پر دستخط کر دیں۔ ریاستی حکام سے معافی مانگیں اور اپنے معزز رفیق کو مجبور کریں کہ وہ ریاستی حکام کے پاؤں پر سر رکھ دے، آخری بات سے مر جانا بہتر ہے، مگر پہلی صورت بھی بحالاتِ موجودہ، بہت مشکل اور مضحکہ خیز سی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔''

مرحوم کی پریشانی اور بے بسی نے میرے دل کو تڑپا دیا۔ سارا دن اسی پریشانی میں گزر گیا، شام کے وقت میں نے چودھری صاحب سے عرض کیا کہ مجھے آپ کل تک مہلت دیجیے، صبح کچھ عرض کر سکوں گا۔ سوچتا رہا، ہر چہار طرف عقل کے گھوڑے دوڑائے مگر کسی سمت ہموار میدان نظر نہ آیا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ ساری پارٹی کو مصیبت میں مبتلا رکھنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ مقصد کے حصول اور پارٹی کی آبرو کی خاطر خود کو قربان کروں؟ یہ خیال میرے دل کی گہرائیوں میں اتر کر آخری فیصلے کی صورت اختیار کر گیا۔

میں نے علی الصبح چودھری صاحب کو بالا خانے سے نیچے تشریف لانے کے لیے آواز دی، وہ آئے تو میں نے بغیر کسی تمہید کے ان کی خدمت میں اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ کے بھروسے پر اپنے کمزور اور ہیچ مدان خادم کو جماعت کی طرف سے تحریک کپورتھلا کا انچارج بنا کر اعلان کر دیجیے۔ مرحوم چودھری صاحب نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں پیار اور محبت کے آنسو تھے، یہ بڑی قیمت تھی جو میں نے اس اعلان کے ذریعے اسی وقت وصول کر لی۔ مجھے مختار بنا دیا گیا۔ اب تحریک کپورتھلا کی ذمہ داریوں کا بوجھ میرے نازک اور کمزور کندھوں پر تھا۔

میں لاہور سے جالندھر چلا آیا، تاکہ ریاست کپورتھلا کے قریب بیٹھ کر حالات کا بغور مطالعہ کر سکوں۔ جالندھر میری جنم بھومی ہے۔ وہاں میرا ننھیال تھا۔ ہم خیال احباب کے علاوہ کچھ تعلقات بھی تھے۔ ہفتہ عشرہ میں پروگرام بن گیا۔ ہاتھ خالی تھے، مقامی احباب نے خلوص سے ہاتھ بٹایا۔

بستی جالندھر کے رہنے والے میرے ایک دوست اسلام الدین (وکیل) کے پاس ''الجہاد'' روزنامہ کا ڈیکلریشن موجود تھا، وہ میری امداد پر آمادہ ہو گئے اور اخبار میرے سپرد کر دیا، انھیں صرف یہ دلچسپی تھی کہ اخبار جاری رہے۔ عدم اشاعت کی وجہ سے ڈیکلریشن ضائع نہ ہو جائے، دردمند مسلمان تھے۔ اس لیے انھیں تحریک کپورتھلا سے ایک گونہ ہمدردی ضرور تھی۔ میرے پلے تو کچھ تھا نہیں، مجھے مرکز کی مالی حالت بھی معلوم تھی، میں نے دل میں یہی ٹھان لی تھی کہ خالی ہاتھ یکہ و تنہا ریاست سے بھڑ جاؤں۔ مقامی حضرات ممکن امداد کے لیے آمادہ و تیار تھے۔ ابتدا میں دو ورق کا روزنامہ نکالنا شروع کیا۔ جالندھر کے احرار دوستوں نے ایک اشاعت کے لیے کاغذ کا بندوبست کر دیا۔ ایک کاتب بلا لیا، کاتب سے کہا کہ زود نویسی سے مضمون گھسیٹنے کا بندوبست کرو۔ نوک پلک ٹھیک ٹھاک کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پریس والے سے کہا آج کا بل کل لے لیجیے گا۔ کاتب اور پریس دونوں مان گئے۔ ریاست کے اندر اور باہر کی خبریں کچھ معتبر اور کچھ غیر معتبر کچھ سچی اور کچھ جھوٹی ایک پھڑکتا ہوا اداریہ، یہ میرے اخبار کا کل حدود اربعہ تھا۔ ہمارا ایک اندھا والنٹیر حافظ سلامت اللہ ''الجہاد'' کا فی سبیل اللہ ایجنٹ بن گیا۔ اس نے ''الجہاد'' کا بنڈل کندھے پر رکھا اور جالندھر کے بازاروں میں زناٹے کی آواز لگائی ''الجہاد دو پیسے میں، ریاست کپورتھلا کی گرما گرم خبریں، مجلس احرار کا اخبار، دو پیسے میں۔'' دو گھنٹے میں اخبار فروخت ہو گیا۔ نقد دام مل گئے، رقم ہاتھ آئی تو ہم نے کاتب اور پریس کا بل ادا کر دیا۔ ''الجہاد'' کی اشاعت بھی بڑھ گئی۔ جلسے بھی ہونے لگے ایڈیٹری اور لیڈری دونوں کام چل نکلے۔ سویا ہوا جالندھر پھر جاگ اٹھا۔ ریاست کے اندر بھی ہلچل ہونے لگی۔

''تاریخ احرار'' میں چودھری صاحب نے کپورتھلا ایجی ٹیشن کی اجمالی صورت پیش کی ہے۔ یہاں بھی میں صرف ایک واقعہ لکھ رہا ہوں۔ میں انھی دنوں ایک روز جالندھر میں اپنے اخبار ''الجہاد'' کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے میرے

مخبر نے کپور تھلا سے آ کر ایک تشویش ناک خبر سنائی۔ وہ کہنے لگا کہ غضب ہو گیا ہے، ریاستی حکام نے نہایت کمینگی سے کام لیتے ہوئے چودھری عبدالعزیز صاحب کو اخلاقی قیدیوں کی کوٹھڑی میں بند کر کے وہاں کی ملحقہ کوٹھڑیوں سے تمام قیدیوں کو نکال لیا ہے اور اس احاطے کے بھنگی کو حکم دیا ہے کہ وہ روزانہ چودھری صاحب کی بے عزتی کیا کرے مگر بھنگی نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا ہے کہ چودھری عبدالعزیز ایک معزز اور باا ثر گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، میں ایسا کروں تو ان کی قوم مجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑے گی۔ اس بھنگی کو تبدیل کر کے اس احاطے میں آج دوسرا بھنگی متعین کیا ہے۔ اس خبر نے میرے اوسان خطا کر دیے، میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا اور اٹھ کھڑا ہوا، صحن میں ٹہلنے لگا۔ دس پندرہ منٹ میرا دماغ کھولتا رہا۔ کپور تھلا کا جیل خانہ مجھ سے بہت دُور اور میری دسترس سے باہر تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ذرا سکون ہوا تو میں نے اپنے اخبار میں ایک نوٹ لکھا۔ کپور تھلا کے ذمہ دار حکام کو اچھی طرح نیک و بد سمجھا دیا۔ اخبار قبل از وقت ریاستی حکام تک پہنچا دیا، مجھے نہیں معلوم کہ حکام نے میری اس دھمکی کا کیا اثر لیا۔

کچھ دنوں بعد میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اس علاقے میں جہاں راجپوت برادری کے گاؤں آباد ہیں، ایک پیغام بھیجا کہ بہادر راجپوتو! تمھاری غیرت کو کیا ہوا، اپنے علاقے میں جلسۂ عام کر کے احتجاج کرو۔ میں اس جلسے میں خود بھی شمولیت کروں گا۔ ہمت سے کام لو، خدا امداد کرنے والا ہے۔ میرے اس پیغام سے راجپوت برادری نے ایک پھریری لی، بہادر قوم اٹھ کھڑی ہوئی اور جلسۂ عام کا اعلان کر دیا۔ مجھے پیغام ملا کہ چلے آؤ، ہم نے علاقہ بولتھ ریاست کپور تھلا میں بہت بڑے اجتماع کا بندوبست کر لیا ہے۔ میرے سامنے سوال یہ تھا کہ اب میں کس راستے سے مقررہ وقت اور متعینہ جگہ پر پہنچوں؟ ہر جگہ قدغن موجود ہے، حکام چوکس ہیں، جلسے کے اعلان نے انھیں اور بھی چوکس کر دیا ہوگا۔ ریاست والے یہ تو جانتے تھے کہ تاج الدین کوئی ہے مگر ریاست کے عوام اور پولیس والے تاج الدین کے حلیہ سے قطعاً ناواقف تھے، انھیں میرا طول وعرض معلوم نہ تھا۔ میں کپور تھلا شہر میں پہنچ گیا۔ پھر خیال آیا کہ اب کیا کروں آگے کیسے جاؤں؟ چودھری صاحب کا ایک عزیز میرا رفیق سفر تھا، وہ بہت عمدہ تانگے میں مجھے آرام سے سفر کرانا چاہتا تھا، مگر میں ایک پرانے تانگے میں جس میں پہلے سے دو دیہاتی مرد، ایک عورت اور ایک بچہ سوار تھا جا بیٹھا، تانگہ بولتھ کی جانب جا رہا تھا۔ راستے میں کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ عمدہ تانگوں اور موٹروں کو روکا جا رہا تھا، ہمارے تانگے کو دو ایک جگہ روکا گیا مگر پہرہ داروں نے یہی کہہ کر ہمیں آگے جانے دیا کہ اس تانگے میں وہ نہیں ہے، جسے ہم روکنا چاہتے ہیں۔ بڑے تن و توش اور ٹھاٹھ دار لیڈر کی تلاش ہو رہی تھی، میں تھا مریل قسم کا چُرمُر سا آدمی! مجھے کسی نے پوچھا اور نہ روکا۔

میں بولتھ کے قریب پہنچا تو راستے ہی میں اُتر گیا اور کھیتوں کے راستے آبادی کی طرف ہولیا۔ دور سے نگاہ ڈالی تو دیکھا اچھا خاصا ہجوم موجود ہے۔ میرا رفیق جو میرے ہمراہ آیا تھا، مجھ سے چند منٹ پیشتر ہی الگ ہو چکا تھا، گاؤں میں داخل ہوا تو مجھے دیکھ کر وہ میری طرف لپکا۔ میں نے اسے اشارے سے منع کر دیا مگر وہ میرے قریب آ ہی گیا۔ کہنے لگا کچھ کھا پی تو لیجیے، پھر جلسے میں چلتے ہیں۔ میں نے انھیں کہا میرے عزیز کیسا کھانا؟ تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔ بات یہ تھی کہ میرے سامنے اپنے معزز رفیق چودھری عبدالعزیز کی مظلومیت موجود تھی۔ میں اسی تصور میں اپنے آپ کو مظلوم ساتھی کی امداد کی لیے تیار کر رہا تھا۔ اس ہجوم میں کوئی نہ جانتا تھا کہ میں کون ہوں، جلسے میں کافی لوگ موجود تھے۔ جلسہ گاہ میں ایک شخص نے

چلا کر بہ آواز بلند کہا کہ بھائیو! عنقریب ہمارے ایک بڑے لیڈر آنے والے ہیں، آپ سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔ کھلے میدان میں جلسہ ہو رہا تھا اور چاروں طرف کھیت تھے۔ میں جلسہ گاہ کی جانب آہستہ آہستہ بڑھا۔ اچانک اسی وقت مسلح پولیس کی ایک لاری اور ایک موٹر جس میں ایک سکھ آفیسر بیٹھا تھا ہارن بجاتی ہوئی جلسے کے سر پر آن پہنچی۔ ڈنڈا پولیس کے سپاہی لاری میں سے کودے۔ سکھ آفیسر نے موٹر سے نکلتے ہی حکم دیا: ’’مارو اِن بدمعاشوں کو، جانے نہ دو۔‘‘ جلسے میں شامل ہونے والے مسلمان ابھی ٹھیک طرح سنبھل کر بیٹھے بھی نہ تھے کہ لاٹھی چارج شروع ہو گیا۔ بڑا خوفناک لاٹھی چارج تھا۔

میں جلسہ گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ ہنگامہ دیکھ کر میرے قدم رک گئے۔ مسلمانوں پر بارش کی طرح لاٹھیاں برسنے لگیں، پہلے تو میں نے یہ خیال کیا کہ ابھی کسی نے مجھے دیکھا بھی نہیں، پیچھے ہٹوں اور غور کروں کہ اس کے بعد کیا ہونا چاہیے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فوراً دوسرا خیال آیا، ضمیر نے ملامت کی اور کہا بزدل تم یہاں آئے ہی کیوں تھے؟ لوگ زخمی ہو کر بھاگ رہے تھے۔ سپاہی شکاری کتوں کی طرح اپنے شکار کا پیچھا کر رہے تھے۔ پاس ہی کھیت تھے، ہجوم کھیتوں کی طرف بھاگا۔ غرضیکہ ایک بھگدڑ مچ گئی، میں آگے قدم بڑھا کر پولیس کی زد میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک سپاہی میری طرف لپکا اور آتے ہی مجھ پر چارج شروع کر دیا، ایک دو تین چار، میرے کمزور اور نحیف جسم پر لاٹھیاں برسنے لگیں۔ پہلی لاٹھی پر جسم میں سناٹا پیدا ہوا، پھر برداشت کا مادہ ابھر آیا، میں اپنی جگہ جم کر کھڑا رہا۔ یہ صورتِ حال سپاہی کی منشا کے خلاف تھی، وہ مجھے چھوڑ کر ایک اور آدمی کی طرف لپکا۔ یہ واقعہ اس وقت وقوع پذیر ہوا، جب میں جلسہ گاہ میں سکھ مجسٹریٹ کے قریب اور ایک پولیس سارجنٹ سے بہت کم فاصلے پر کھڑا تھا۔ میں نے اس سارجنٹ کو یہ کہتے بھی سنا کہ اسے چھوڑ دو، بھاگنے والوں کا پیچھا کرو، انھیں پکڑو۔ مجھے اس سکھ آفیسر نے جس کے حکم سے لاٹھی چارج ہوا تھا، اپنے قریب بلایا اور نرم آسامی سمجھ کر میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ میری عینک دُور جا پڑی، میں اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔ ابھی وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک تھانیدار ہانپتا کانپتا آیا، سکھ آفیسر کو سلام کیا اور کہا کہ ہم نے صرف چار پانچ ذمہ دار آدمیوں کو پکڑ لیا ہے، باقیوں کو مار بھگایا ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے، میں نے حالات کا جائزہ لے کر سمجھ لیا تھا کہ اب اس کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ لٹھ بند سپاہی جمع ہو گئے۔ تھانیدار انھیں گرفتار شدگان کے ہمراہ لے کر لاری میں سوار ہو گیا مگر وہ سارجنٹ جس نے مجھے اطمینان سے مار کھاتے دیکھا تھا، مجسٹریٹ سے سرگوشیاں کرنے لگا۔ میری طرف اشارہ ہوا تو میں سمجھ گیا کہ میرا ہی ذکر خیر ہے۔ میرا جم کر مار کھاتے رہنا ان کے لیے حیرت انگیز تھا، مجسٹریٹ میری طرف آیا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تم ہماری ریاست کے باشندے تو معلوم نہیں ہوتے، میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ آپ نے صحیح سمجھا۔ میں تو ’’مسلم نیوز سروس لاہور‘‘ کا نمائندہ ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہاں ایک عظیم الشان جلسہ ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا لاؤ جلسے کی رپورٹ بھی لیتا آؤں اور حکام سے ملاقات بھی کر لوں۔ ایسے مواقع ہماری اخباری برادری میں بہت منافع بخش سمجھے جاتے ہیں مگر یہاں تو...... میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سکھ مجسٹریٹ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا: او ہو! یہ تو بہت برا ہوا مگر آپ نے بھی تو حد کر دی کہ ہم سے ملے بغیر جلسے میں آ گئے، ہم آپ کے لیے سواری اور قیام وطعام کا بندوبست کرتے۔ ہمیں بے حد افسوس ہے، یہ تو بہت برا ہوا، پھر اپنے عملے کی طرف مخاطب ہو کر گرجدار آواز میں کہا: بلاؤ اس حرام زادے سپاہی کو جس نے ان پر لاٹھی چلائی تھی، میں ہنسی کو بمشکل ضبط کر سکا اور دل میں کہا کہ ایک حرام زادہ تو مجھ سے ہم کلام ہے اور دوسرے کی تلاش کا حکم جاری کر رہا

ہے۔ بہر حال میں خوش تھا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے مگر ایسا خیال کرنا میری بھول تھی اس لیے کہ میں ابھی تک پنجۂ صیاد میں تھا۔
اس مار دھاڑ کے بعد وہ پولیس سارجنٹ جو سکھ مجسٹریٹ کا نائب کورٹ بھی تھا، مجسٹریٹ کو الگ لے جا کر سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا، وہ دونوں میری طرف کبھی کبھی دیکھتے بھی تھے اور باتیں بھی کیے جاتے تھے میرا ماتھا ٹھنکا، میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے تحقیقات کیے بغیر جانے نہ دیں گے، چنانچہ یہی ہوا۔ مجسٹریٹ صاحب میری طرف جھومتے جھامتے آئے اور کہنے لگے کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ میں مسافر ہوں، یہاں کوئی میری جان پہچان نہیں ہے، آپ جہاں چاہیں لے چلیں، میں تنہا کدھر جاؤں؟ میری یہ بات مجسٹریٹ کی منشاء کے مطابق تھی۔ اس نے مجھے موٹر میں بٹھا لیا، موٹر ڈِھلواں (ریاست کپورتھلا) کی جانب چل پڑی۔ پولیس کی لاری اور نو گرفتار ملزم ہم سے پہلے جا چکے تھے۔

راستے میں پھر باتیں شروع ہو گئیں۔ مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا: اب ڈِھلواں پہنچ کر آپ کیا کریں گے؟ میں نے جواب دیا کہ آپ مجھے جرنیلی سڑک پر پہنچا دیں تو لاہور جانے والی کسی لاری یا موٹر میں جیسی بھی سواری ملی، لاہور چلا جاؤں گا۔ موٹریں تو رات کے وقت بھی جرنیلی سڑک پر رواں دواں رہتی ہیں، میری بات سن کر مجسٹریٹ کچھ نیم رضا سا ہو گیا، ہم ڈِھلواں پہنچے تو سارجنٹ انھیں پھر الگ لے گیا اور رازدارانہ انداز میں انھیں کچھ سمجھا تا رہا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مجھے جانے نہ دیں گے۔ اس یقین پر میں نے اپنا رویہ بدل لیا۔ جونہی مجسٹریٹ میری طرف آیا، قبل اس سے کہ وہ مجھے اپنا فیصلہ سنائے میں نے کہا: سردار صاحب آج کی رات میں آپ کا مہمان بن جاؤں تو کیسی بات ہے؟ مجھے یہیں ٹھہر جانے کی اجازت دیجیے۔ یہ سن کر سردار صاحب نے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور خوش ہو کر فرمانے لگے: ٹھہرو جی، خوشی سے ٹھہرو۔ ڈیرے کے چوکیدار کو مخاطب ہو کر کہنے لگے ارے او چوکیدار! ادھر آؤ، دیکھو عمدہ دری اور چوتہی، صاف ستھرا تکیہ اور لحاف، بہت اچھے بستر کا، میاں کے لیے بندوبست کرو، ان کے لیے عمدہ کھانا بھی فوراً تیار کراؤ اور پھر اشارے سے فرمایا: ادھر آؤ۔ چوکیدار کو ہمراہ لے گئے اور کمبخت سارجنٹ کو میری نگرانی پر مامور کر گئے۔

تھوڑی دیر بعد چوکیدار آ گیا، اس کے ہمراہ ایک شخص تھا۔ مجھے اب گاؤں کے درمیان ایک حویلی میں جس کا ایک ہی بڑا دروازہ تھا، ٹھہرایا گیا، تھوڑی دیر بعد چار مضروب راجپوت چودھری بھی لنگڑاتے ہوئے وہاں آ گئے۔ ان کے ہمراہ بھی دو سفید پوش پولیس والے تھے، انھوں نے میری طرف دیکھا، ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر کسی قدر مطمئن ہوئے کہ موقع ملا تو باتیں بھی ہو سکیں گی۔ چارپائیاں بچھ گئیں، رات نے اپنا تسلط جما لیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا بھی آ گیا، میں نے کھانے سے انکار کر دیا، چوکیدار سے کہا کہ میرے حصے کا کھانا تم اپنے گھر لے جانا، مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے، سارے جسم میں درد ہے، مجھے چارپائی پر لیٹنے دو، یہ کہا اور میں بوٹوں سمیت چارپائی پر لیٹ گیا۔ میں نے چوکیدار ہی سے کہا کہ لحاف اٹھا لاؤ اور مجھ پر ڈال دو، اس کے بعد مجھے بلانا نہیں۔ مجھے نہ حقہ پینے کی عادت ہے اور نہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔
رات کے نو یا ساڑھے نو بجے ہوں گے، چوکیدار نے دروازے کے قریب اپنی چارپائی ڈال لی، چاروں ملزم برآمدے میں تھے۔ برآمدے کے دونوں دروازوں پر دو آدمی تھے، وہ بھی چارپائیوں پر دراز تھے، کچھ دیر وہ سب حقہ نوشی کرتے رہے مگر کوئی کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ اس حویلی میں ہم اپنے نگرانوں سمیت آٹھ نفوس تھے۔ دس بجے کے قریب لوگوں نے سونا شروع کیا، تھوڑی دیر بعد سونے والوں کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

گیارہ بجے کے قریب جب رات بھیگنے لگی میں نے اپنے سر سے لحاف ہٹایا، رات کے سناٹے میں سونے والوں کے سانس گن لینا بہت آسان ہوتا ہے۔ مجھے ان تین نگرانوں کے بارے میں اطمینان مطلوب تھا کہ وہ بے خود ہو کر سو جائیں، میں ان کے سانس گنتا رہا، میری تمام تر توجہ انھی تین نگرانوں پر تھی، ایک چوکیدار اور دو سفید پوش سپاہی جب یہ تینوں خراٹے بھرنے لگے تو میں ساڑھے گیارہ بجے کے قریب چارپائی پر آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔ پھر اطمینان کر لیا کہ سب سو رہے ہیں معاً خیال آیا کہ اگر کوئی جاگ اٹھا؟ پھر ایک ترکیب سمجھ میں آئی، سامنے پانی کا گھڑا اور لوٹا رکھا تھا سوچا کہ یہی سہارا بہتر رہے گا۔ میں نے چارپائی چھوڑ دی، اٹھ کھڑا ہوا، پانی کا لوٹا بھرا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ کنڈی کھولی اور دروازے کے باہر نکل کر پیشاب کرنے بیٹھ گیا تھا۔ اندر سب لوگ سو رہے تھے، انھیں سوتا چھوڑ کر گلیارے سے باہر آ گیا اور کھلی کچی سڑک پر چلنے لگا۔ جہاں تک گاؤں کی آبادی تھی مجھے دھڑکا لگا رہا، آبادی ختم ہوئی تو میں اطمینان سے چلنے لگا۔

میرے اندازے کے مطابق جرنیلی سڑک اس گاؤں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ میں چلتا رہا مگر جرنیلی سڑک کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا، بہرحال مجھے جرنیلی سڑک تک پہنچنا تھا۔ آگے چلنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ جب میں تقریباً ڈیڑھ میل چل چکا تو مجھے حیرانی ہوئی، کھڑا ہو کر سوچنے لگا، ماجرا کیا ہے؟ جرنیلی سڑک کہاں غائب ہو گئی؟ راستہ تو سیدھا ہے اس میں کوئی موڑ بھی نہیں کہ جس سے کسی دھوکے کا گمان ہو سکے۔ دُور فاصلے پر مجھے روشنی نظر آئی، روشنی دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا، اب میں روشنی کی جانب اور آگے بڑھا، قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آدمی سر پر چارپائی اٹھائے چلا آ رہا ہے۔ اس کے ہمراہ ایک عورت بھی ہے، جس کے ہاتھ میں لالٹین ہے، وہ میری طرف آ رہے تھے اور میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب بالکل قریب پہنچا تو میں نے اس آدمی سے دریافت کیا: کیوں بھئی! جرنیلی سڑک کتنی دُور ہے؟ جواب میں وہ شخص بولا جرنیلی سڑک ادھر کہاں؟ بھلے آدمی، پیچھے لوٹ جاؤ، یہاں سے پیچھے دو میل ہے جرنیلی سڑک۔ اوہو میں تو راستہ بھول گیا۔ بھئی مسافر ہوں، خدا تمھارا بھلا کرے، تم نہ ملتے تو خدا جانے الٹی راہ کتنی دور نکل جاتا، سوتے میں اٹھا تو مشرق و مغرب بھول گیا، یہ کہتے ہوئے میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس چل پڑا۔ (جاری ہے)

مسافرانِ آخرت

- ★ لاہور: مرزا غلام نبی جانباز مرحوم کی بہو اور جناب خالد جانباز کی اہلیہ، انتقال: 16 ر ستمبر 2018ء
- ★ مفتی شہاب الدین پوپلزئی کی ہمشیرہ، انتقال: 8 ر ستمبر 2018ء
- ★ ملتان: قاری محمد حنیف جالندھری کے پھوپھا عبداللطیف اختر مرحوم، انتقال: 14 ر ستمبر 2018ء
- ★ ملتان: مجلس احرار ملتان یونٹ قاسم بیلہ کے کارکن محمد یامین انصاری، انتقال: 13 ر ستمبر 2018ء
- ★ رحیم یار خان: مولانا رشید احمد لدھیانوی مرحوم کی اہلیہ اور مولانا نعمان حسن لدھیانوی کی والدہ، انتقال: 25 ر ستمبر 2018ء
- ★ رحیم یار خان: مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن حاجی عبدالعزیز مرحوم، انتقال: 16 ر جولائی 2018ء
- ★ رحیم یار خان: مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن جام اللہ ڈوایا چوہان (بستی درخواست)، انتقال: 24 ر ستمبر 2018ء

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

میرا اَفسانہ

قسط:۱

مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

''میرا اَفسانہ'' مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کی خودنوشت ہے۔ ذخیرۂ ادب میں خودنوشت یا آپ بیتی ایک مستقل موضوع ہے۔ بڑے لوگوں کی آپ بیتیاں آئندہ نسلوں کی تعلیم وتربیت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

''میرا اَفسانہ'' خودنوشت اور آپ بیتی کے مروجہ اسلوب سے قطعی مختلف ہے۔ چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی زندگی کے حالات، تعلیم، ملازمت اور قومی واجتماعی معاملات میں شرکت وجدوجہد کو بڑے لطیف پیرائے میں قلم بند کیا ہے۔ مجلس احرار اسلام کی تاریخی جدوجہد، تحریک آزادی اور ہندوستان کی سیاسی تاریخ کو جس اختصار اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے اپنی مثال آپ ہے۔

''میرا اَفسانہ'' ایک شخص کی آپ بیتی بھی ہے اور ایک قوم وملک کی تاریخ بھی۔

مجلس احرار اسلام کے کارکنان خصوصاً اور دیگر سیاسی وقومی کارکنان اس کتاب سے بہترین فکری رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی خیال اور جذبے کے تحت اسے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' میں قسط وار شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بابِ اوّل: یادِ ایّام:

بچپن کی بھولی ہوئی کہانیوں کو یاد کرنے کوئی بیٹھے تو شاید ہی کسی کو دایہ کے دوش اور ماں کی آغوش کا کوئی واقعہ یاد ہو۔ میرے بچپن کی کہانی استاد کی مار پیٹ سے شروع ہوتی ہے۔ زندگی کا پہلا واقعہ یوں یاد ہے کہ تعلیم کے ابتدائی درجہ میں داخلے کا پہلا دن تھا۔ پیشاب جو لگا، میں جماعت سے باہر چلا گیا۔ فارغ ہوکر واپس آیا تو خلیفہ جی سے آزار بند باندھنے کی فرمائش کی، مجھے معلوم نہ تھا کہ خلیفہ کو بچوں کے آزار بند باندھنے سے چڑ ہے۔ پہلے ہی دن مجھ پر پیغمبری وقت آن پڑا۔ خلیفہ جی کا غصہ ان کی عقل اور فرض سے زیادہ تھا۔ آزار بند باندھنے کے بجائے مجھے پنکھے کے رسے سے باندھ کر مارنا شروع کیا۔ اس بدسلوکی کا سزاوار میں ہی نہ تھا بلکہ خلیفہ کئی ایک کا پیشاب پہلے بھی خطا کر چکے تھے۔ غرض پہلا سبق جو استاد نے پڑھایا اور جسے میں عمر بھر نہ بھولا وہ یہ تھا ''مدرسہ میں پیشاب نہ کرو''۔

اس پہلے دن کی بدشگونی کی نحوست سکول کے ابتدائی چند سال رہی۔ میں رمضانی مار کھانے کی نشانی ہوگیا۔ ایک تو ان دنوں میں یوں بھی مدرس باتوں کی نسبت لاتوں اور ہاتھوں سے زیادہ کام لیتے تھے۔ دوسرے، میں ہم جماعتوں میں جسمانی لحاظ سے کمزور تھا۔ کمزور پر رحم کا کہیں بھی قاعدہ نہیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ عموماً استاد پیٹا کرتے تھے۔ کبھی کبھی لڑکے مارتے تھے اور گاہے ماہے گھر پر تواضع ہو جاتی تھی۔

اسی طرح پٹتے پٹاتے پانچویں جماعت میں پہنچے۔ یہاں کے ماسٹر صاحب کی ایک آنکھ تھی۔ مگر خلیفہ صاحب سے غصہ دوگنا تھا۔ وہ جماعت میں گھنٹی سے پانچ منٹ پہلے ہی آ بیٹھتے۔ میں اور چند لڑکے سکول سے گھر دور ہونے کے

باعث ایک آدھ منٹ بعد پہنچے ماسٹر صاحب نے نہایت اطمینان سے فرمایا: ''کان پکڑ لو''۔ ہم معذرت کیا ہی چاہتے تھے کہ اس نے اچانک لڑکوں پر ڈنڈا برسانا شروع کیا۔ فوراً سب کان پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ ایک تربیت یافتہ لڑکا جھکا، ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر کان پکڑ کر ایک ٹانگ پر، کبھی دوسری ٹانگ پر بوجھ دیتا ہوا جھولنے لگا۔ ہم اس دلچسپ نظارے کو زیادہ دیر تک دیکھنے نہ پائے تھے کہ ماسٹر کا غصہ طوفان بن گیا اور وہ بری طرح ہم پر برسا۔ اس نے ایک سانس میں سو گالیاں دیں، دست ستم پیشہ کو ہم پر ہزار بار آزمایا۔ ہم رونا چاہتے ہیں تو مہلت نہیں دیتا۔ اب اس کی منشا کے مطابق کان پکڑ کر خوش کرنا چاہتے، وہ مطمئن نہیں ہوتا۔ پیٹتا چلا جاتا ہے۔ کوئی عذر اور کوئی عرض نہیں سنتا۔ جب وہ زور آزمائی کرتے کرتے تھک گیا تو ہمیں اتنی مہلت نصیب ہوئی کہ ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر، کان پکڑ کر آسمان اور زمین متوازی ہو گئے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے بعد اسی حال میں کتابیں کھول کر پڑھنے کا حکم دیا۔ قیاس کرو کہ کان یوں پکڑے ہوئے کوئی سبق کیا پڑھے گا، ہم تھک چکے تھے۔ اتنا آرام غنیمت ہو گیا کہ ہم نے کتابیں بستے سے آہستہ آہستہ نکالیں۔ سامنے کھول کر رکھ لیں اور بروں کی جان کو رو کر پھر کانوں کو اسی طرح پکڑ لیا۔ سر نیچا ہونے کے باعث آنکھیں سرخ ہو گئیں، ایک ایک کے دس دس حرف نظر آنے لگے، ٹانگیں جسم کا بوجھ برداشت نہ کریں، آنکھوں سے کچھ نظر نہ آئے۔ ایسے معلموں سے کوئی پوچھے یہ کیا تعلیم کا طریقہ ہے۔

پندرہ منٹ کی اس انوکھی ورزش سے جنوری جون میں تبدیل ہو گئی۔ سردیوں میں پسینہ آ گیا، دنیا آنکھوں تلے اندھیر دکھائی دی۔ دوسروں پر رحم یا اپنی عاقبت کا خوف اسے ہماری حالت بدلنے کے حکم کی تحریک نہ کرتا تھا۔ جب جان سے تنگ آ گئے تو کھڑے ہو کر ہاتھ جوڑ دیے۔ ماسٹر خوب جانتا تھا کہ اب ان میں سکت باقی نہیں رہی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اسے اذیت میں مزہ آتا ہے، چنانچہ اب حکم ہوا کہ ایک دوسرے کے کان پکڑ کر اٹھو بیٹھو۔ ہمیں معلوم ہوا کہ دوزخ سے نکل کر اعراف میں آ گئے ہیں۔ ہر چند ہم تھک کر چور چور ہو گئے تھے مگر یہ سزا پہلی سے ہلکی تھی، جب اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی تو بنچ پر کھڑے رہنے کی ہدایت ہوئی۔ باقی وقت کھڑے کھڑے گزر گیا۔

ماسٹر صاحب نے تعلیم کا کام اتنا کیا کہ لڑکوں سے چند سوالات پوچھ کر ان کی لیاقت کے مطابق ان کی نشستیں معین کر دیں۔ باقی تمام وقت ہم ہی ان کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ دوسرے روز ہم سب ایک گھنٹہ پہلے ہی آ گئے۔ عرصہ محشر کی طرح دم بخود ہو کر اس فرشتہ جہنم کا انتظار کرنے لگے۔ وہ وقت پر آیا۔ لڑکوں کو یہ امر پورے طور پر ذہن نشین نہ کرایا گیا تھا کہ ہر روز اپنی نشستوں پر نہ بیٹھنا ماسٹر کی ناراضگی کا باعث ہو گا۔ کل کی ہدایت سے لاپروا ہو کر کوئی کہیں بیٹھا تھا، کوئی کہیں۔ مختار مطلق ماسٹر کی طبعِ نازک کو یہ امر بھی گراں گزرا۔ وہ آگ بھبھوکا ہو گیا۔ حکم سے لاپروا لڑکوں کو عدمِ تعمیل کے جرم میں پہلے دو زانوں ہونے کا حکم دیا۔ کیا جانے طبیعت میں پھر کیا لہر اٹھی کہ کان پکڑ لینے کا فرمان دیا۔ ذرا سی دیر میں اور دیر ہو جانے کے خوف سے لڑکوں نے بلا چون و چرا کان پکڑ لیے۔ نشستوں کی روز گزشتہ ترتیب میں ہم کسی شمار میں نہ تھے۔ ہمیں سب سے آخر بیٹھنے کا اشارہ ہوا۔ وہاں یارائے دم زدن کسے تھا؟ فوراً تعمیل کی گئی۔ خدا جانے اس کی طبیعت میں دیوانگی تھی۔ کل دیر سے آنے والوں کو کہا کہ کل کی طرح ہو جاؤ۔ لاحول ولا قوۃ۔ کل کی طرح ہو جانے کے سوا چارہ کار کیا تھا۔ آج پھر کل کی افسوسناک اذیت دہرائی گئی۔ مصیبت کی گھڑیوں کی طرح ماسٹر صاحب کے اوقات تعلیم بہت گراں بار آہستہ خرام ایک ایک منٹ

قیامت ہوکر گزرتا تھا۔ فرزند آدم کی مشکلیں آخر آسان ہوگئیں۔ وہ وقت بھی گزرا تیسرا دن آیا۔ تو کل پرسوں والے دونوں گروہوں کو پہلے جرموں کے سلسلہ میں پھر کان پکڑنے کا حکم ہوا۔ آج ان مشقتیوں کی تعداد میں اوراضافہ بھی ہوگیا کیونکہ چند اور لڑکے ماسٹر کے غصہ کا شکار ہوکر ہماری قطار میں شمار ہونے لگے تھے۔ مجھ پر کیا موقوف تمام کی تمام جماعت نے کان پکڑتے اور توبہ توبہ کرتے سال گزارا۔ کسی معقول وجہ پر کبھی کبھار سزا قابلِ برداشت ہوسکتی ہے لیکن دماغی عوارض میں مبتلا ایسے شخص کو بچوں کا استاد مقرر کرنا ان کی صحت اور اخلاق کو دفن کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے ماحول میں کون بچہ قوی ارادہ اور عمدہ صحت لے کر نکلے گا حالانکہ تعلیم کے ساتھ انسانیت کی تکمیل کے لیے ان دو اجزاء کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

چھٹی جماعت میں پہنچ کر قدرے اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ مار پیٹ کا قاعدہ تو یہاں بھی جاری تھا۔ لیکن ایک دن کے قصور پر مہینہ بھر سزا نہ ملتی تھی۔ یہ ۱۹۰۴ء کے واقعات ہیں۔ اسی سن میں صبح کے وقت کانگڑہ کا قیامت خیز زلزلہ آیا۔ جس نے پنجاب بھر کو خوابِ غفلت سے بیدار کردیا کچھ عرصہ تو سب نے سمجھا کہ قیامت آگئی۔ مائیں بچوں کو گھروں میں چھوڑ کر جان بچانے کھلی جگہ کی طرف بھاگیں تاکہ عمارتوں میں دب کر نہ رہ جائیں۔ نفسا نفسی کا وہ عالم تھا کہ بجز اپنی ذات کے کسی کو۔ کسی کا خیال نہ رہا۔ مجھے گھبراہٹ میں والدہ کی آواز سنائی دی کہ چوک میں چلے جاؤ۔ میں اور میرا بڑا بھائی فضل حق مرحوم دونوں سر پر پاؤں رکھ کر گلی کے چوک کی طرف بھاگے۔ ہمارے پہنچتے پہنچتے وہاں اچھا خاصا ہجوم ہو چکا تھا۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سب خدا کا رحم مانگتے تھے۔ ناگاہ محلّہ کی مسجد کا ملا بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے آتے ہی اذان کہنا شروع کر دی پھر کیا تھا خورد اور بزرگ کانوں میں انگلیاں دے کر اذانیں دیتے تھے اور خوف سے ادھر ادھر دوڑتے تھے، کسی کو زندگی کا یقین نہ تھا۔ ان میں ایک مادر زادہ برہنہ حسین عورت باحال پریشان کانوں میں انگلیاں دے کر ''لوکو! اللہ اکبر وے، لوکو! اللہ اکبر کہتی سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر بھاگتی پھرتی تھی۔ برہنگی کی طرف میں تو اب اشارہ کررہا ہوں۔ اس پریشانی میں کسی کو کچھ ہوش نہ تھا۔ ننگے اور لباس والے برابر تھے۔ چند منٹ کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ جھٹکے بند ہوگئے تب جان میں جان اور دماغ میں عقل آئی۔ مردوں نے تعجب سے برہنہ بی بی کو دیکھا، عورت کو اچانک اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔ وہ ہائے ہائے کہتی پس و پیش ہاتھ رکھ کر بھاگی۔ شریروں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ لیکن خدا کا غضب قریب سمجھ کر نظریں جھکالیں۔ ایک دو دن گزرے وہ نوجوان اور حسین عورت اہل محلّہ کا مذاق بن گئی۔ عورتیں اس کے پاس سے گزرتیں تو چڑانے کے لیے کان میں انگلیاں دے کر ''وے لوکو! اللہ اکبر وے، وے لوکو! اللہ اکبر'' کہنا شروع کردیتیں۔ اس واقعہ کے بعد قیامت اور اس کی تفصیلات پر مجھے کبھی شبہ نہیں ہوا۔ قیامت کے دن تمام نبیوں کا نفسی نفسی پکارنا اور پیغمبر آخرالزمان کا اُمّتی اُمّتی پکارنا آپ کی عظمت اور خدا کی مخلوق کے لیے بے پایاں محبت کا ثبوت ہے۔ جو اپنے نفس کو بھول کر اہل دنیا کی نجات متمنی ہے۔ وہی سب سے برگزیدہ ہے۔ جب میں اس زلزلے کا خیال کر کے قیامت کا قیاس کرتا ہوں تو بجز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب نبیوں کا نفسی نفسی پکارنا بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر مجھے دنیا کی اور شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو بنی نوع انسان کی ہمدردی میں آپ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ افسوس ہے کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو بھول گئے۔ اس کا نامۂ اعمال بنی نوع انسان کی خدمت سے خالی ہورہا ہے۔ ضرورت ہے کہ قوم کے نوجوانوں کے ذہن نشین کرایا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اچھا وہ ہے جس کے وجود سے مخلوق کو نفع پہنچے۔

کچھ عرصہ ہوا، ایک مقام پر قرب قیامت کا ذکر جاری تھی کہ قیامت کے لوگ ننگے رہیں گے۔ نہ ان کو خود ننگے ہونے کا احساس ہوگا نہ لوگوں کو ہوش ہوگا۔ کانگڑہ کے زلزلے کی پر ہیبت داستان سنائی اور اس برہنہ بی بی کا ذکر کیا۔ مولانا عبدالقادر قصوری نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک دہقان مہمان ٹھہراتا کہ صبح شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرے۔ ہمارے مکان کے سامنے برف کا بڑا کارخانہ تھا۔ صبح کے وقت انجن اس زور سے کوکتا تھا کہ در و دیوار ہل جاتے تھے۔ دہقان نے انجن کی قیامت خیز آواز سنی اور در و دیوار تھر تھراتے دیکھے تو کلمہ شہادت پڑھتا ہوا ننگا ہی باہر نکل کر صحن میں بھاگا بھاگا پھرنے لگا اور مضطرب ہوکر مجھے آواز دی کہ مولوی صاحب قیامت آگئی۔ قرنا پھونکی گئی، وہ قیامت قیامت پکار رہا ہے۔ لوگ اسے برہنہ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ جمعہ کے دن بڑے انجن کی ایسی دل دہلا دینے والی آواز اس کے لیے صورِ اسرافیل سے کیا کم تھی۔ اسے اپنا ننگا ہونے کا بالکل خیال نہ تھا۔ وہ یونہی بے قرار ہوکر ادھر ادھر بھاگتا رہا۔ جب تک اس کو یقین نہ دلایا گیا کہ یہ کارخانہ ہے، یہاں ہر صبح یونہی آواز ہوتی ہے۔

یہ زمانہ دنیائے اسلام پر بدترین ابتلا کا عہد تھا۔ روس اور انگلستان کی پالیسی ایشیا کی آزاد مسلم سلطنتوں کا خاتمہ کرنے پر مصر تھی۔ روس کی نسبت انگلستان کے اقدامات اسلام کی ذلت کا باعث بن رہے تھے۔ انگلستان کے ارباب بست و کشاد ہندوستانی مسلمان کی حسیات سے بے پرواہ ہوکر نشۂ غرور میں وہ باتیں کہہ دیتے تھے جنھیں آج ہندوستان کا آزاد خیال مسلمان سننے کا متحمل نہیں۔ اس وقت ساری قوم انگریز کی عبودیت پر فخر کرتی تھی۔ مساجد میں خدا کی حمد کے ساتھ انگریز کی تعریف کی جاتی تھی۔ ایسے گندے رجحانات اب بھی نام نہاد خدا پرست مسلمانوں کے مذہبی اور روحانی رہنماؤں میں موجود ہیں۔ آزادی خواہ نوجوان ان علماء اور صوفیاء کی انگریز پرستی کو دیکھ کر خدا پرستی پر پھبتیاں اڑانے کا عادی ہو رہا ہے۔ قصر حکومت اسلامی کی اینٹ سے اینٹ بجتی دیکھ کر بچپن میں میرا غصہ جوان ہوگیا۔ اس وقت تک میں اپنی طبیعت کو انگریزی حکومت سے تعاون پر آمادہ نہیں کرسکا۔

یادِ شیریں:

شوخی اور شرارت میں بندر اور بچے برابر ہوتے ہیں۔ ہر سوراخ میں انگلی ڈالنا ان کی خوشی ہے۔ ہر ایک کے لتے لینا ان کی فطرت ہے۔ ہندوستانی مدرسوں کی بے جان اور اداس فضا میں مدرسین حوصلہ مندیوں کا سبق کیا دیں گے۔ بات بات پر کا اینٹھنا، بے عذر ڈنڈے برسانا، یہ اس زمانے کی استادی تھی۔ باوجود اس کے فطرت اپنے جوہر دکھا جاتی ہے۔ ہندوستانی مکاتب کے پٹے ہوئے بچے انسانی اولوالعزمی کے وہ جوہر نہیں دکھا سکتے جو قومی عظمت کو چار چاند لگا کر اسے ہدایت بخشتے ہیں۔ ان کی ماؤں کو میدان مقابلہ سے کامیاب لوٹنے والے نوجوانوں کی ماؤں کی طرح خوشی کے آنسو بہانے کا موقع نہیں ملتا، کیونکہ ہندوستانی بچوں کے سارے ولولے کچل دیے جاتے ہیں اور وہ تنگ دلی کی پیداوار خود غرضی کی کاشت اور برداشت کے لیے رہ جاتے ہیں۔ باوجود فطرت کے تقاضوں کو کچلنے کے سارے سامانوں کے طبعی شوخی شرارت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ طالب علمی کی ساری تلخ اور خشک زندگی مسکراتا مرغزار آنکھوں کے سامنے آجانے کے برابر ہے۔ جس سے سفر زندگی رنگین اور پر بہار نظر آنے لگتا ہے۔ استاد ہزار کان اینٹھیں مگر یہ بھی ان کے کان کترتے ہیں، دھاکوں سے ڈرتے ہیں، مگر اوکھلی میں سر دینے سے باز نہیں رہتے۔ مبادا کوئی دیکھ پائے وہ اکثر کتابوں کو منہ کے سامنے رکھ کر ایک دوسرے کا منہ چڑاتے ہیں اگر ماسٹر کی توجہ

ادھر ہوتو ادھر کتاب اپنے منہ سے ہٹا کر اس کا بھی منہ بناتے ہیں۔ ہر چند ہمارے سکولوں میں معلم تعلیم دیتے وقت دماغ کی بجائے ہاتھوں سے زیادہ کام لیتے تھے اسی لیے لڑکوں کے دل میں اس تشدد اور نفرت اور سختی سے بغاوت پیدا ہوگئی تھی۔ ساتویں جماعت کے اردو کے استاد بڑے جابر اور تیز طبیعت تھے، چھڑی اندھے کے لٹھ کی طرح گھما کر بلاوجہ مارتے تھے۔ ایک لڑکے نظیر حسین کو معمولی بات پر غیر معمولی پیٹا تو وہ پٹ کر شوخ ہوگیا اور ہر وقت شرارت کی سوچنے لگا۔

ایک دن اس نے لڑکوں کو اپنی راہ پر لگایا۔ درمیانی بنچ پر بیٹھے طالب علموں کو پٹی پڑھائی کہ اردو کی پہلی کتاب کی نظم ''صبح کی سیر'' کا پہلا مصرعہ استاد کے آتے ہی مل کر بلند آواز سے پڑھنا۔ جب مولانا درمیانی بنچ کے لڑکوں کی طرف متوجہ ہوں تو پہلی بنچ کے لڑکے دوسرا مصرعہ اسی طرح بلند آواز سے پڑھیں۔ دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ چوتھی بنچ والے۔ اس طرح استاد صاحب شیش محل میں کتے کی طرح کبھی اِدھر کی کبھی اُدھر کی بنچوں کو پیٹنے کے لیے بھاگیں گے۔ یارو بڑا تماشا ہوگا۔ جابر استاد اگر دنیا کا تماشا بنے تو کس طالب علم کو خوشی نہیں ہوتی۔ سیر تماشے کے لیے کس نے مار نہیں کھائی مگر کھیل تماشے کا ذوق پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔ سب کو معلوم تھا کہ اس تماشے کا نتیجہ مار پیٹ ہے مگر باوجود اس کے سب نے یہ تماشا کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

مولانا محترم اک شاہی شان سے جماعت میں جلوہ افروز ہوئے۔ سب لڑکے تعظیم کے لیے سروقد کھڑے گئے۔ مولانا نے کمال فخر وغرور سے نظر اٹھا کر سب کا جائزہ لیا۔ آنکھوں کے اشاروں سے سب کو بیٹھ جانے کو کہا۔ لڑکوں کے بیٹھتے ہی شریر نظیر نے اشارہ کیا۔ درمیانی بنچ کے طالب علموں نے اونچی سُروں میں الاپنا شروع کیا

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

اجی ...... عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی

مولانا حیران رہ گئے اور گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ابھی وہ وادیٔ حیرت میں سرگردان تھے اور درمیانی بنچ کے لڑکوں پر حملہ آور نہ ہونے پائے تھے کہ پہلی بنچ کے لڑکے مل کر گانے لگے

عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی

اہا جی ...... عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی

مولانا کی آنکھوں سے غیض وغضب سے شرارے نکلنے لگے۔ پہلی بنچ پر ہاتھ اٹھانے کی مہلت نہ پائے تھے کہ چوتھی بنچ سے آواز آئی

یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل

ہاں جی ...... یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل

مولانا چوتھی بنچ کی سرزمین کے لیے بڑھے ہی تھے کہ پانچویں بنچ سے صدا بلند ہوئی

ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

جی ہاں ...... ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

مولانا کمرے کے درمیان کھڑے حیران ہو رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر نظیر پر پڑی۔ جو مولانا کی سراسیمگی پر بغلیں بجا رہا تھا، بس پھر کیا تھا مولانا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ سب کو چھوڑ کر نظیر کو پکڑ لیا۔ چھڑی ٹوٹ کر ٹکڑے اڑ گئے، مولانا

گھونسوں اور مکوں سے کام لینے لگے۔ مولانا نے جسم تول کر ایک گھونسا جو مارا تو نظیر نے جسم چرایا، وار خطا جا کر مولانا کا گھونسا پورے زور سے دیوار پر لگا۔ شدتِ درد سے مولانا کے منہ ''ہی اے'' کی آواز نکلی اور انھوں نے زخمی ہاتھ بغل میں دے لیا اور نیم جان سے ہو کر کرسی پر جا بیٹھے۔ ذرا جان میں جان آئی تو پھر اٹھے اور نظیر کو ساتھ لے کر ہیڈ ماسٹر کے ہاں گے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یورپین تھے، وہ اردو نہ جانتے تھے۔ مولانا انگریزی زبان سے بے خبر تھے۔ نظیر ہی دونوں کے درمیان ذریعہ گفتگو تھا جو مولانا کہتے یہ الٹی سمجھا تا، نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا سرفگندہ اور نظیر فاتحانہ انداز میں کلاس میں داخل ہوا۔

اس واقعہ کے کئی دن بعد امرتسر میں چھاجوں مینہ برسا۔ ندی نالے ایک ہو گئے۔ امرتسر کی سڑکیں نشیب میں واقع ہونے کے باعث کیچڑ کا سیرابن گئیں۔ ایسے میں ایک لڑکا سلیپر اور جرابیں پہن کر سکول آیا۔ کیچڑ اڑ اڑ کر سر کو پہنچا، سارے کپڑے لت پت تھے، جرابوں کا کیا حال ہوگا۔ اس نے کھول کر جرابیں اپنے سامنے میز پر رکھ لیں، ایک لڑکے کو جو نظیر کی طرح ہر روز کی مار سے تنگ آیا ہوا تھا۔ شرارت جو سوجھی، ان جرابوں کو جو گلے سڑے چوہے کی طرح تھیں، اٹھا کر مولانا کی میز پر دے مارا۔ کیچڑ کے چھینٹوں سے مولانا کی آنکھیں مود گئیں، چہرہ اور داڑھی الگ داغدار ہوئے۔ مولانا نے کچھ دیر بعد آنکھیں صاف کر کے چھڑی گھما کر زور سے لڑکے کے مارے۔ اس نے ہاتھ پر روکا لیکن آنکھ پکڑ کر بیٹھ گیا اور دہائی دے کہ ہائے مولانا نے میرے آنکھ نکال دی۔ قریب کی کلاسوں کے استاد سن کر لپکے، مولانا کو اس حال خراب میں پایا، کچھ لڑکے کو دلاسا دیا، کچھ مولانا سے ہمدردی کی۔ اس کے بعد مولانا نے وطیرہ بدل لیا اور لڑکوں کے محبوب ہو گئے۔

نظیر لڑکوں کا قدرتی لیڈر تھا۔ اپنے محلے اور ارد گرد کے محلوں کے طالب علموں کا وہ کمانڈر تھا۔ جو اس سے باغی تھا وہ اس کا دشمن تھا۔ اپنے ساتھیوں سے بھائیوں کی طرح محبت کرتا تھا، جو ان کو مارے وہ اس سے بدلہ لینے کے لیے آمادہ تھا۔ تاہم وہ بلا وجہ جھگڑنے سے باز رہتا تھا۔ سکول سے واپسی پر وہ سب کو اپنی زیر نگرانی لے کر چلتا تھا۔ ایک دن ہم کئی ایک لڑکے واپس گھروں کو جا رہے تھے کہ اچانک ہمیں معلوم ہوا کہ کسی قریب کے مکان کی دیوار دھم سے گر گئی اور ساتھ ہی چند آوازیں آئیں کہ بچو، بچو! ہم سب بستے چھوڑ کر جان بچا کر بھاگے۔ خطرے سے اپنے آپ کو باہر پا کر جو پلٹ کر دیکھا تو چند قالین بافوں کو ہنستے پایا۔ انھوں نے شرارت کی تھی۔ ان سب نے مل کر زمین پر زور سے دھم دھم پاؤں مارے اور ساتھ ہی ''بچو، بچو'' کی آواز دی تھی۔ یہ شرارت ہم نے بھی مل کر شروع کر دی۔ جب نظیر ون، ٹو، تھری کہتا تھا ہم تھری کی آواز پر مل کر دھم دھم زمین پر دونوں قدم مارتے اور ساتھ ہی ''بچو، بچو'' کہہ کر دوڑتے۔ بے خبر چلنے جانے والوں کو گمان ہوتا کہ کوئی عمارت آن گری ہے۔ وہ بے تحاشا بھاگتے اور ہم سب ان کی ہنسی اڑاتے۔ ایک ہفتہ میں سکول سے گھر تک سب لوگ اس شرارت سے تنگ آ گئے۔ ایک دن دو شخص بازار کے کنارے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں مٹھائی کو ڈونا تھا۔ دوسرے کے بغل میں چھوٹا بچہ تھا۔ وہ دو شخص اتفاق سے بوسیدہ مکان کے نیچے کھڑے باتوں میں مصروف تھے، لڑکوں کے پاؤں کی آواز کے ساتھ بچو، بچو کا شور سن کر ایسے سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ مٹھائی کے ڈونے کی تو خیر تھی، بدحواسی میں بچہ بھی موری میں گر گیا۔ وہ خوفناک دھاڑیں مار کر بھاگے، بچہ جان سے بچ گیا مگر بہت زخم آئے۔ لوگوں نے نظیر کو پکڑ کر سب سے زیادہ پیٹا، سب کو علم تھا کہ شرارت کا یہی حکم دیتا ہے۔ نظیر اس مار سے بڑا مؤدب ہو گیا پھر اس نے ون۔ ٹو تھری کا حکم نہیں دیا۔ (جاری ہے)

☆......☆......☆

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق چائے نوشی

نور اللہ فارانی

چائے کے بارے میں کسی چائے کے شوقین نے کیا خوب کہا ہے: انسان اشرف المخلوقات ہے تو چائے اشرف المشر وبات۔ ہمارے اکابر واسلاف میں سے بعض چائے کے بڑے رسیا تھے۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ظفر علی خان، علامہ میر حسن کاشمیری وغیرھم نے اپنی تحریرات اور منظومات میں چائے کا ذکر بڑے چاؤ اور محبت سے کیا ہے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تو اس کثرت سے کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ

''چائے ابوالکلام آزادؒ کی وجہ سے یا ابوالکلام آزادؒ چائے کی وجہ سے مشہور ہوئے''

چنانچہ مولانا غلام رسول مہرؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور دل میں سوچ رہا ہوں اگر ایسی چائے کے فنجان میسر ہوں تو پھر اور کون سی نعمت باقی رہ جاتی ہے جس کی انسان خواہش کرے؟ میرے لئے یہی چائے سحری کی صبوحی بھی ہے اور افطار کا جام خمار شکن بھی۔''

مولانا ظفر علی خان نے تو حد کر دی ہے فرماتے ہیں ؎

چائے نوشی میری پرانی روایات سے ہے　　　چائے پیتا ہوں تو ہوجاتا ہے ایماں تازہ

اکابر واسلاف کی ذوق چائے نوشی کے متعلق ''شراب الصالحین'' کے عنوان سے میرا سلسلۂ مضامین علمی وادبی حلقوں کی جانب سے بہت پسند کیا گیا۔ سر دست قارئین ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کے لیے ''شاہ جی'' سے متعلق حصہ پیش ہے امید ہے قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

شاہ جیؒ اور چائے:

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیق خاص جناب جانباز مرزا صاحبؒ لکھتے ہیں:

انسانی عادات قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں حضرت امیر شریعت کو قوت ارادی (WILL POWER) کی وجہ سے اپنی عادات پر خاصا قابو تھا۔ لیکن عام عادات جوان کی جز وزندگی بن چکی تھیں، ان کے ہاتھوں مجبور تھے۔ مثلاً جیل میں ہوں یا ریل میں، نمازِ صبح سے پیشتر چائے بغیر دودھ کے ضرور پیتے۔ چنانچہ چائے کا سامان (سٹوو، مٹی کا تیل، بہترین چائے کی پتی، چینی، نمک، فنجان اور ایک چھوٹا چمچ) سفری بکس میں ہمیشہ ساتھ رہتا۔ کبھی کبھار شہروں میں اگر اچھی چائے نایاب ہوجاتی، تو دیہاتوں کے سفر میں اس کی تلاش کرتے جو اکثر مل جاتی۔'' (حیات امیر شریعتؒ از جانباز مرزا ص ۲۳ر۴۷)

جناب شورش کاشمیری صاحبؒ ان کے ذوق چائے نوشی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

چائے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ہمیشہ نفیس چائے پیتے اور اکثر خود بنا کر پیتے، مدتوں کیتلی اور تام چینی کا آب خورہ ساتھ رکھا۔ ان کے خیال میں ہر شخص چائے بنانے اور چائے پینے کا اہل نہ تھا، فرماتے:

''عام لوگ چائے نہیں جوشاندہ پیتے ہیں۔''

مولانا ابوالکلامؒ کی طرح انہیں بھی چائے کی کہانی یاد تھی، طبیعت حاضر ہو تو مزے سے بیان کرتے۔

(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح وافکار ص/۱۶۲ از شورش کاشمیریؒ)

شاہ جیؒ کے رفیق کار خان غازی کابلی تحریر فرماتے ہیں:

چائے رغبت سے پیتے ہیں، سٹرونگ (تیز) چائے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔

(ماہنامہ الاحرار خصوصی اشاعت بیاد امیر شریعتؒ ص/۲۷)

معروف ادیب ماہر القادری فرماتے ہیں:

میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا، بڑے مزے کی چائے پلائی، چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے اور ان سب سے بڑھ کر ان کے لطیفے اور چٹکلے (چائے کی پیالی میں ان کے تبسم کی شکر گھل جانے سے لطف دوبالا ہو گیا۔)

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا امیر شریعتؒ نمبر ج/۱ ص/۵۰۳)

مکتوبات میں چائے کا ذکر:

جیل سے لکھے ہوئے مکتوبات میں بھی جابجا چائے کا ذکر مختلف انداز سے کیا ہے جن میں سے چند اقتباسات موضوع کی مناسبت سے نذرِ قارئین ہیں۔

سکھر جیل سے اپنی بیٹی ام کفیلؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

چائے چھوڑ دی ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی، پان بھی چوبیس گھنٹے میں ایک دو دفعہ، یہ دونوں مصیبتیں دور ہو گئیں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم میرے حال پر ہے۔ یہ ارادۃً نہیں چھوڑیں بلکہ خواہش ہی جاتی رہی۔ (سیدی وابی ص/۲۱۵)

سکھر جیل سے ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

باقی اللہ کے فضل سے چائے، پان، برف اس وقت تو سب سے نجات حاصل ہے اور کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی، حالانکہ یہ چیزیں اپنے دام سے مل سکتی ہیں۔ (سیدی وابی ص/۲۳۱)

تیسرے خط میں یوں رقمطراز ہیں:

چائے اور پان کا چھوڑنا بھی بلا وجہ نہ تھا، کچھ دقتیں تھیں اور اس سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اگر چہ برسوں کی عادت تھی دراصل ہماری کلاس سی کلاس تھی آج دو تین دن ہوئے ہمیں بی کلاس دی گئی ہے اور غذا میں بھی خاصا فرق ہے۔ (سیدی وابی ص/۲۶۰)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

میٹھا بالکل چھوڑ دیا ہے، چائے میں سکرین کی گولیاں ڈال کر منہ میٹھا کر لیتا ہوں چار گولیوں سے ایک پیالی میٹھی ہو جاتی ہے اور نہ نفع نہ نقصان۔ (سیدی وابی ص/۳۲۱)

شاہ جیؒ، چائے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ:

بنت امیر شریعتؒ سیّدہ ام کفیل بخاریؒ تحریر فرماتی ہیں:

دلّی جیل کا واقعہ اباجیؒ نے سنایا تھا، مولانا آزادؒ بھی اسی جیل میں تھے اور مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم ومغفور

بھی۔ ایک روز موقع پا کر اباجیؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ ملاقات کے لئے مولانا (ابوالکلام آزادؒ) کے کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ جیلر یا سپرنٹنڈنٹ راونڈ کرتا ہوا ادھر آتا دکھائی دیا۔ مولانا (ابوالکلام آزادؒ) نے فرمایا بھائی! آپ بیٹھئے میں انہیں ''مصروف'' کرتا ہوں۔ باہر تشریف لے جا کر اس سے گفتگو شروع فرما دی۔ پھر اس نے کیا ادھر آنا تھا۔ وہیں سے واپس ہو گیا، مولانا احمد سعید سنا ہوا ہے بڑے بے دھڑک بزرگ تھے۔ مولانا آزادؒ سے کہنے لگے۔ لاحول ولاقوۃ آپ کے پاس آنا تو ایسے ہے جیسے کوئی شریف آدمی دن دہاڑے ''اس بازار'' میں پکڑا جائے، بے چارے مولانا یہ ریمارکس پی گئے۔ پھر چائے بنائی اور پوچھا کیسی ہے؟ اباجیؒ نے تعریف کے ساتھ کہا حضرت ایک کمی رہ گئی ہے۔ اباجیؒ کہتے اب مولانا سے کوئی یہ کہے کہ آپ کی چائے میں کمی رہ گئی! بڑی بڑی غزالی آنکھیں اُٹھا کر حیرت اور تعجب سے پوچھا: وہ کیا میرے بھائی؟ میں نے کہا دو پتی زعفران بھی ہوتی، فرمایا:

''آپ اضافات کی بات کرتے ہیں۔ پھر کسی روز آیئے آپ کو ''مزعفر'' پلاؤں گا۔''

چنانچہ ایک روز زعفرانی چائے بھی پلائی۔ (سیّدی وابی ص/۱۶۹)

واکثر هم لایعقلون:

حافظ عبدالرشید ارشد ۱۹۵۲ء میں امیر شریعتؒ کی جامعہ رشیدیہ آمد کے احوال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

صبح کو شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب، حضرت ناظم صاحب، حضرت مفتی صاحب رحمہم اللہ اجمعین اور مولانا مقبول احمد سبھی فجر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آ گئے اور بڑی علمی مجلس ہوئی، میں چائے بنا رہا تھا۔ شاہ صاحب چائے دانی، عمدہ چائے پان اور لوازمات ساتھ رکھنے کے عادی تھے۔ میں نے پتی چائے دانی میں ڈال کر اُبلتا ہوا پانی اوپر ڈالا۔ دل و دماغ تو باتوں کی طرف تھے صرف ہاتھ کام کر رہے تھے شاہ صاحبؒ گفتگو بھی فرما رہے تھے اور مجھے چائے بناتے بھی دیکھ رہے تھے پانی زیادہ پڑ گیا اور کیتلی سے باہر آ گیا شاہ صاحبؒ نے فوراً فرمایا: **واکثرهم لا یعقلون**.

(ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' امیر شریعت نمبر: ج ۲/ص/۱۲۹)

چائے مجلس کی زینت ہے:

ایک دفعہ امیر شریعتؒ کے ہاں چند بڑے علماء بطور مہمان تشریف لائے، شاہ جیؒ نے ان کیلئے چائے منگوائی، انہوں نے انکار کیا۔ شاہ جی نے فرمایا:

''آپ کو پتہ ہے چائے مجلس کی زینت ہے؟ اس کو روایت کیا ہے بخاری و مسلم نے۔''

مہمانانِ گرامی بولے شاہ جی آپ جیسا آدمی ایسی بات کرے کیا ہم نے بخاری و مسلم نہیں پڑھی ہیں؟

شاہ جیؒ نے جواب دیا: ''حضرات میں ہی تو بخاری بھی ہوں اور مسلم بھی۔''

چائے کا انکار متفق علیہ کفر ہے:

بنت امیر شریعتؒ ام کفیل بخاریؒ تحریر فرماتی ہیں:

مولانا احمد الدین صاحب شگفتہ مزاج بزرگ تھے، اباجیؒ فرماتے: میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہتے ''چائے کا انکار'' متفق علیہ کفر ہے۔ مطلب تھا اباجیؒ اور مولانا خود۔ (سیدی وابی ص: ۱۲۲)

چائے میں نمک:

قاری ظہور رحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے ایک دوست اختر الہ آبادی بتلاتے ہیں کہ (شاہ جیؒ) میری ہمیشہ چائے سے ضیافت فرماتے۔ایک دفعہ چائے لائی گئی تو بجائے شکر کے نمک استعمال ہوا، میں نے ظرافتاً کہا شاہ جیؒ! میں تو پہلے ہی نمک خوار ہوں۔فرمایا: بابو یہ بات نہیں، ہفتہ بھر سے گھر میں شکر نہیں ہے اس لئے بلاتکلف نمک استعمال کر رہا ہوں۔اور دوستوں کو بھی نمکین مزہ سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔پھر نمکینی اور حلاوت پر بات چھڑ گئی۔تو فارسی اور اردو کے اشعار کے دفتر لگ گئے اور چائے کا ہر گھونٹ نمکینیت میں حلاوت کا ایسا مزہ بن گیا کہ اس کے سرور سے آج بھی روح کو کیف وخمار کی چاشنی محسوس ہوتی ہے۔ اور ساقی کے چل دینے پر بھی وہ تمام لذتیں باقی ہیں جو ان کے ہوتے ملتی تھیں۔

اگرچہ میکدے سے اُٹھ کر چل دیا ساقی
وہ مئے وہ خم وہ صراحی وہ جام ہے باقی

انگریز کا گرم خون:

ایک مرتبہ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بفہ تشریف لائے ،مولانا غلام غوث ہزارویؒ گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت شاہ جیؒ نے آتے ہی فرمایا: کہ انگریز کا گرم خون ضرورت ہے گھر والے سوچوں میں گم تھے، کہ انگریز کے گرم خون سے کیا مراد ہے؟ اچانک مولانا ہزارویؒ تشریف لائے اور فرمایا: کہ فوراً گرم قہوہ تیار کیا جائے ،انگریز کے گرم خون سے مراد قہوہ ہے۔ (سوانح مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ از مولانا عبدالقیوم حقانی ص ۸۴)

پشاوری قہوہ اور شاہ جیؒ:

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے خوب یاد ہے کہ جب حضرت اقدس (سید عطاء اللہ شاہ بخاری) قدس سرہٗ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لایا کرتے تھے،تو پشاور کی قہوہ چائے کو بہت پسند فرماتے تھے۔میں نے یہاں بھی عشاء کے بعد قہوہ تیار کرنے کی اجازت مانگی، بخوشی قبول فرمایا مگر ذیابیطس کی وجہ سے میٹھا نہ کرنے کی ہدایت کی۔قہوہ چائے تیار کر کے پیش کی، بڑے شوق سے نوش فرمائی۔ (تذکرہ وسوانح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ از مولانا حقانی ص ۳۲۱)

چائے میں خود بناؤں گا:

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب خطیب صدر شاہ پور کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔چائے کی بات چلی تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا: چائے میں خود بناؤں گا آپ صرف پانی گرم کر دیں۔مولانا عبدالکریم صاحبؒ کو بازار سے دودھ نہ ملا،عرض کیا دودھ تو نہیں ملا، گھر میں بکری ہے اگر پسند فرمائیں تو اس کا دودھ لا دوں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں اس سے بخاری نفرت کر سکتا ہے؟ مسلمان کی شان یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اس کو پسند اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسند اس کو ناپسند ہو، فرمایا جلدی لاؤ۔چنانچہ بکری کے دودھ سے چائے بنائی گئی اور آپ نے غایت شوق ومحبت سے نوش فرمائی۔ (ترجمان اسلام ص ۴، ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ء)

فاقع لونھا تسر النظرین:

شاہ جیؒ کی عادت تھی کہ اپنی چائے کا قہوہ خود بناتے تھے، ایک مقام پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت شاہ جیؒ کے ارادت مند نے پہلے سے چائے بنا رکھی تھی۔ شاہ جیؒ کے لئے جب وہاں کے (قہوہ ناشناس) حضرات قہوہ، دودھ، چینی لائے۔ تو شاہ جیؒ نے فرمایا بھائی ذرا دیکھنا قہوہ کیسا ہے؟۔۔۔ تو قہوہ شاہ جیؒ کے مزاج کے خلاف تھا۔۔۔ مزاحاً عرض کیا: شاہ جیؒ! قہوہ۔۔۔ بمالا تھویٰ! اس پر مسکرائے اور میزبان کی دلجوئی کے لئے وہ قہوہ اٹھا کر اندر کمرہ میں تشریف لے گئے اب واللہ اعلم اسی کو ٹھیک بنایا، یا دوسرا بنا کر لائے۔۔۔ بہر حال نہایت عمدہ قسم کا قہوہ بنا کر تشریف لائے اور پھر فنجان میں ڈالتے ہوئے فرمایا: **فاقع لونھا تسر النظرین !** (نوائے درویش ص/۹۵)

شاہ جیؒ کی چائے:

مولانا غلام احمد صاحب ایک جلسہ کی روئیداد لکھتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

قاضی صاحب اور مولوی عاشق محمد صاحب شہید کی اپنی ذاتی کوئی سواری نہیں تھی اور نہ ہی وہ اتنی مالی وسعت رکھتے تھے کہ جلسہ کے شریک ضیوف کی دعوت کے لئے گوشت وغیرہ کا انتظام کریں۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت شاہ جیؒ نے ہم طلبہ سے فرمایا کہ چولہے پر دیگچی رکھو اور پانی گرم کرو، جب ابل جائے تو مجھے بتانا حضرت شاہ جیؒ نے اپنے ہاتھوں سے پانی میں پتی ڈالی اور حسب منشاء چائے بنائی، اندازہ سے یاد آتا ہے کہ دودھ نہیں تھا۔ اس طرح حضرت شاہ جیؒ نے منتظمین جلسہ کو خوامخواہ کے چائے کے خرچہ سے اور اپنی مرضی کے مطابق چائے سازی کے تکلف سے بچالیا۔ (امیر شریعت نمبر، ج ا ر ص ۳۸۹)

چین، چائے اور شاہ جیؒ:

جناب رازی پاکستانی صاحب حضرت شاہ جیؒ کے ارادت مندوں میں سے تھے، شاہ جیؒ کے ساتھ ایک ملاقات کے احوال لکھتے ہوئے خامہ فرسا ہیں:

اب وہ عظیم (شخص) ہمیں چائے پلانے پر اصرار کر رہا تھا۔ تب یوں ہی کہیں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی غبار خاطر والی چائے کا ذکر ہوا تو انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھنا تو وہ چائے شاید چین میں ملتی ہو؟ اس کے بعد میں ہانگ کانگ چلا گیا، وہاں کبھی کبھار چینی دوستوں کے ساتھ کسی کیفے میں ایسی چائے بغیر دودھ اور شکر کے پیتے تو شاہ جیؒ کی بات یاد آجاتی۔

پیکنگ میں پاکستان کے پہلے قونصلر شیخ تاج الدین اب ہانگ کانگ میں مقیم تھے۔ ان سے مشورہ کے بعد میں نے پاکستانی سفارتخانے کے ایک صاحب کی معرفت وہ خاص چائے شنگھائی یا پیکنگ سے منگوالی۔ پارسل سے بھیج رہا تھا، کہ کامریڈ مبارک ساغر اور ابوسعید انور ہانگ کانگ پہنچ گئے۔ وہ ”دفتر چٹان“ سے میرا ایڈریس اور فون نمبر لے آئے تھے۔ بہر حال وہ چائے شاہ جیؒ کو پہنچ گئی۔ ۱۹۵۶ء میں واپس ملک آیا تو دوستوں کے ساتھ شاہ جیؒ کے ہاں حاضری دی وہ چائے کی بات کرنے ہی لگے تھے کہ میں نے جرأت سے کام لے کر کہا کہ نہ تو آپ اس غیر ضروری شے کے لیے شکریہ ادا کریں اور نہ ہی آپ جیسے جفاکش انسان کو مولانا آزادؒ کی پیروی میں آئندہ کے لیے ایسے چسکوں میں پڑنا چاہیئے۔ لاہور واپس آکر میں نے یہ بات آغا صاحب (شورش کاشمیری) کو بتا رہا تھا تو حمید نظامی اور شیخ حامد محمود بھی وہاں بیٹھے تھے۔ شورش پوچھنے لگے کہ شاہ جیؒ نے تب کیا کہا؟ میں نے کہا کہ اس عظیم شخص کی وہی مسکراہٹ تھی جس سے آپ بھی شناسا ہوں گے۔ (امیر شریعت نمبر ص/۲۴۹ ج/۲)

چائے نہیں زہر ہے:

چائے کے حوالے سے یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لہذا شامل کیا جاتا ہے۔امین گیلانی ''بخاری کی باتیں'' میں لکھتے ہیں:

مارشل لاء اُٹھنے کے بعد مجلس احرار اسلام کے لیے لاہور میں میٹنگ ہوئی، کچھ دوستوں میں شاہ جی کی باتیں چل پڑیں۔مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی' مولانا ابوذر بخاری' نور احمد صاحب آزاد کچھ اور دوست اور راقم الحروف بیٹھے تھے،تو ایک صاحب نے جو بحیثیت کارکن کسی شہر سے احرار کی میٹنگ میں نمائندہ بن کر آئے تھے،انہوں نے واقعہ سنایا افسوس کہ کسی ضروری کام کے لئے مجھے اُٹھنا پڑ گیا، میں ان صاحب کا نام اور پتہ دریافت نہ کر سکا۔بہر حال انہوں نے سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جی ہمارے ہاں تشریف لائے،تقریر کے بعد ہمارے مکان پر ہی قیام فرمایا۔شاہ جی لیٹے ہوئے تھے اور میں انہیں دبا رہا تھا کہ گھر سے چائے بن کر آ گئی۔ میں نے چائے پیش کی تو آپ نے فوراً اسے سونگھا اور فرمایا: کیوں جی! ہمارے ساتھ کوئی دشمنی ہوگئی ہے؟ میں نے کہا شاہ جی! خدا نہ کرے۔فرمایا: تو چائے میں زہر کیوں ملایا گیا ہے؟ میں حیران ہوگیا، میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں نے کہا: شاہ جی! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ یہاں سب آپ کے خدام ہیں،مگر آپ نے پورے اعتماد سے فرمایا: بھائی! یہ چائے نہیں زہر ہے۔میں گھبرایا ہوا اندر گیا۔ بیوی سے پوچھا چائے کس نے پکائی؟ اس نے کہا میں نے خود' دودھ اپنی بھینس کا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی بندی! شاہ جی فرما رہے ہیں، اس میں زہر ہے،اس نے متعجب ہوکر کہا: خدا نہ کرے ہائے ایسے نیک بندے سے کون ایسا کر سکتا ہے؟ اور پھر ہمیں اپنی جان عزیز نہیں۔ میرے لئے یہ بات معمہ بن گئی، مارے ندامت کے قدم بوجھل ہو رہے تھے کہ شاہ جی کو کیسے سمجھاؤں اور کیا منہ دکھاؤں؟ اتنے میں میری بیوی کچھ سوچ کر بولی! اوہو ایک بات ہے سنو تو' ہمارے ہاں کھانڈ نہیں تھی' راشن کی کھانڈ ابھی مل نہیں سکتی تھی، میں نے پاؤ بھر کھانڈ ہمسایوں سے منگوائی تھی۔ وہ تو آپ کو معلوم ہے مرزائی ہیں، کہیں انہوں نے شرارت نہ کی ہو۔بس میں سمجھ گیا۔تحقیق پر یہی معلوم ہوا کہ چینی میں زہر ملا دیا گیا تھا۔ہم شاہ جیؒ کی فراست پر حیران ہوئے اور شکر کیا کہ خدا نے ہمیں ذلت سے بچالیا۔

خوشبو والی چائے:

سید محمد کفیل بخاری مدظلہ حضرت شاہ صاحب کے حوالے سے ایک تأثراتی مضمون میں لکھتے ہیں کہ(حبیب احمد بن حاجی دین محمد صاحب راوی ہیں)ایک دفعہ شاہ جی ہمارے گھر تشریف لائے تو حسب معمول عصر کے بعد گھر سے چائے بن کر آئی۔ جب چائے پیالی میں ڈالی تو خاصی چکنائی تھی اور خوشبو بھی آ رہی تھی۔شاہ جی نے پوچھا کہ بھائی دین محمد یہ چائے میں تیل کیوں ڈال دیا۔حاجی صاحب پریشان ہوکر گھر گئے تو پتہ چلا کہ میری چھوٹی بہن نے عطر کی شیشی چائے میں انڈیل دی تھی۔اتنے میں بچی بھی آ گئی،شاہ جی نے پوچھا:''بیٹی! یہ خوشبو چائے میں کیوں ڈالی؟'' کہنے لگی شاہ جی! آپ کو عطر بہت پسند ہے،آپ جب بھی تشریف لاتے ہیں تو آپ کے کپڑوں سے عطر حنا کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اس لیے چائے میں شیشی انڈیل دی۔ چائے تو دوبارہ بنی لیکن دیر تک یہ لطیفہ محفل اور ہمارے گھر میں گردش کرتا رہا۔

ایک ناخوشگوار واقعہ پر معذرت:

جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل شاہ جی کہروڑ پکا کے کسی دیہات میں تقریر کے لیے تشریف لائے۔میزبان کے ہاں محفل جمی تھی اور احباب چائے پی رہے تھے۔

ایک نہایت سادہ دیہاتی مولوی صاحب نے چائے کی پیالی منہ سے لگائی، نہایت لمبی تان اور بلند آواز میں چسکی لی کہ پوری محفل لرزہ براندام ہوگئی۔ شاہ جی اس معاملے میں بہت حساس اور لطیف مزاج تھے۔ کھانا کھاتے اور چائے پیتے وقت اگر کسی کے منہ سے آواز نکلتی تو طبیعت پر بہت برا اثر ہوتا۔ مولوی صاحب سے فرمایا: ''مولوی صاحب! چائے پیتے ہو یا چائے سے زیادتی کرتے ہو''، کچھ اور بھی سخت الفاظ کہہ دیے۔ مولوی صاحب بھی دھڑلے کے آدمی تھے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، غصے میں چائے کی پیالی شاہ جی پر پھینک دی، کہنے لگے بڑے عالم بنے پھرتے ہو اور بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ یہ کہا اور یہ جا وہ جا۔ مولوی صاحب تو چلے گئے لیکن شاہ جی نے فوراً دوستوں سے کہا کہ بھائی! یہ مولوی صاحب میری امانت ہیں۔ میں نے تم سے لینے ہیں۔ یہ کہہ کر اٹھے، اپنے کپڑے دھوئے، غسل کیا، نماز ظہر ادا کی اور جلسے میں جانے سے پہلے پوچھا کہ بھائی وہ مولوی صاحب کہاں ہیں؟ کارکنوں نے بتایا کہ جلسے میں سب سے آخر میں بیٹھے ہیں۔ فرمایا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔ چنانچہ شاہ جی پورے جلوس کے ساتھ مولوی صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ انھیں سلام کیا اور فرمایا: ''بھائی مولوی صاحب! جو آپ نے فرمایا اور جو کیا وہ بالکل درست کیا، جو میں نے کہا غلط کہا، میرے منصب کے خلاف تھا، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ ان سارے لوگوں کے سامنے فرما دیں کہ عطاء اللہ! میں نے تمھیں اللہ کے لیے معاف کیا''۔

مولوی صاحب رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ شاہ جی! آپ مجھے معاف فرما دیں۔ میں نے بدتمیزی کی ہے اور شاہ جی فرما رہے تھے کہ نہیں مولوی صاحب! غلطی مجھ سے ہوئی، معافی بھی میں ہی مانگوں گا۔ آپ یہی الفاظ کہیں گے کہ ''عطاء اللہ میں نے تمھیں اللہ کے لیے معاف کیا''۔ آپ معاف کریں گے تو میں تقریر کروں گا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے یہ الفاظ بآواز بلند کہے۔ شاہ جی نے انھیں گلے لگایا، ماتھا چوما اور پھر سٹیج پر پہنچ کر تقریر کی۔ ساری تقریر انھی مولوی صاحب کی تعریف میں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اصلاح کے لیے ایسے نیک لوگوں کو پیدا کیا ہے جو ہماری غلطیوں پر سرِعام ٹوکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزاءِ خیر عطاء فرمائے۔

سبحان اللہ! یہ وہ اخلاق اور عجز وانکسار تھا جس نے امیر شریعت رحمہ اللہ کو خاص و عام کا محبوب بنا دیا تھا۔

دعاءِ صحت

- ★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
- ★ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل جناب عبد اللطیف خالد چیمہ
- ★ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد
- ★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب
- ★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب
- ★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی
- ★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی
- ★ ملتان میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب خان علیل ہیں
- ★ چیچہ وطنی، پیر جی عبد اللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبد الجلیل مدظلہ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا کی ''متاعِ قلیل''

تأثر و تبصرہ: محمد احمد حافظ

جناب ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب اگر چہ ایک خلوت گزیں اور گوشہ نشین آدمی ہیں مگر ان کا نام علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں، وہ صاحب علم و دانش اور کتابی دنیا کے آدمی ہیں۔ اب تک ان کی درجنوں علمی، تحقیقی اور اَدبی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ''مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان'' اسلام آباد سے ۱۹۷۳ء میں کیا تھا۔ وہاں سے ''نیشنل ہجرہ کونسل اسلام آباد''، پھر ''اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد'' میں آپ کی ملازمت رہی۔ آج کل ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہے ہیں، لیکن یہ زندگی بے مقصد و بے مصرف نہیں ہے، کتاب و قلم سے رشتہ اب بھی برقرار ہے۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ آپ کی نئی تصنیف قاری کو دعوتِ مطالعہ دے رہی ہوتی ہے۔ اب تک تو جناب رانجھا صاحب نے دوسروں کے حوالے سے لکھا یا دوسروں کی لکھی کتابوں کو ایڈٹ کر کے نئے گیٹ اپ کے ساتھ شائع کرایا ہے، مگر ان کی اپنی شخصیت پردہ اخفاء میں تھی۔ حال ہی میں ان کی خودنوشت ''متاعِ قلیل'' کے نام سے سامنے آئی ہے، جو مصنف کی حیاتِ مستعار کے بیتے دنوں کی تہ در تہ پرتوں کو کھولتی ہے۔ قاری جب کتاب کے مطالعے سے حظ اندوز ہو چکتا ہے تو اس کے نہاں خانہ دل سے ایک سرگوشی ابھرتی ہے کہ...... یہ ''متاعِ قلیل'' نہیں ''متاعِ کثیر'' بلکہ ''خیر کثیر'' ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر رانجھا صاحب کے دیرینہ رفیق جناب ڈاکٹر سید عارف نوشاہی صاحب نے آپ کا شوخ تعارف کچھ یوں کرایا ہے:

''رانجھا صاحب کی ایک غزل کے شعر:

دل کی دولت بھلا لٹنے کا کیوں ہو کچھ غم
ہم تو مشہور ہیں گھر بار لٹانے والے

سے ان کا رانجھا ہونا صاف جھلک رہا ہے، مگر یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب آتش جواں تھا، مرادوں کے دن تھے، جوانی کی راتیں تھیں اور رانجھا صاحب پر سلسلہ نوشاہیہ کا بھی جمالی اَثر تھا۔ شباب کے انہی ایام میں جب یہ سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہاں تو ''ہوش دَر دَم'' اور ''نظر بَر قدَم'' کی قید ہے۔ نوشاہیوں کے ہاں تو ''بے ہوشی دَم بہ دَم اور نگاہ برقدم'' کی قید ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کی جلالت نے اثر دکھایا اور رانجھا صاحب جو اپنے نام کے ساتھ ایک مناسبت سے ڈاکٹر لکھا کرتے تھے، اب ''مولانا'' ہو گئے۔ وہ شعر و غزل کو تج کر صوفیانہ ادب کی طرف راغب ہوئے اور

سرِ سلسلہ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین نقش بند کے مرید یعقوب چرخی کے تمام غیر مطبوعہ رسائل چھاپ دیے اور نقشبندیات پر ایک مفید اضافہ کیا۔ نقشبندیات سے ہٹ کر انھوں نے تصوف کی کچھ اور کتابوں، تذکروں، اور مخطوطات پر بھی کام کیا جو سب کی سب فارسی زبان میں ہیں۔''

ڈاکٹر رانجھا صاحب نسبت بزرگ اور نقش بندی سلسلے کی عظیم ''خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف'' سے منسلک ہیں۔ آپ نقش بندی امہات کتب کے مترجم، مسود، مصحح، محشّی، مؤلف اور مصنف ہیں، آپ کو نقشبندیات کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات اور اللہ پاک کی عطا فرمودہ توفیق عالی نے آپ سے بڑا کام لیا ہے۔ آپ کی ''متاعِ قلیل'' میں مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کی تعداد پچپن ہے، ان میں سے آٹھ کتابوں کی تصحیح و تحقیق آپ کے قلم سے ہے۔ اٹھائیس تصنیفات اور اٹھارہ تراجم ہیں۔ ایک سو ستر علمی تحقیقی اردو مضامین، اڑتیس فارسی مضامین، بارہ فارسی مضامین کے اردو تراجم شامل ہیں۔

ڈاکٹر رانجھا صاحب کا اولین کام سلسلہ نقش بندیہ کے امام سلوک حضرت مولانا محمد یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل پر کام ہے۔ آپ نے حضرت یعقوب چرخی رحمہ اللہ کے ''رسالہ ابدالیہ''، ''رسالہ انسیہ''، ''سہ رسائل'' (شرح اسماء الحسنٰی، حورائیہ، طریقہ ختم احزاب) کی تصحیح، تعلیق اور ترجمے کا کام کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی تصنیفات و تالیفات میں ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ''...... ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف''...... ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ مظہریہ دہلی''...... ''تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف''...... ''تاریخ و تذکرہ خواجگانِ نقشبند'' جیسی اہم کتب شامل ہیں۔

تراجم میں حضرت ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کی کتاب ''آداب المریدین''، مولانا یعقوب چرخیؒ کی ''تفسیر چرخی''، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے ''کشکول کلیمی''، حضرت مولانا فخر الدین علیؒ کی ''رشحات عین الحیات''، حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی ''دُرّ المعارف''، ''مکاتیب شریفہ حضرت شاہ غلام علیؒ''، حضرت شاہ سعیدؒ کے ''مکتوبات سعیدیہ''، ''مکتوبات خواجہ سیف الدین نقشبندی سرہندی''، حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے ''مجموعہ فوائدِ عثمانی'' شامل ہیں۔ ان تمام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مکتوباتِ امام ربانی'' کا کامل ترجمہ بھی آپ کے توشہ حسنات میں سے ہے۔ آخر الذکر مکتوبات شریف کا ترجمہ نہایت شستہ و رفتہ، سلیس و دل نشین ہے، جو تصوف کا خزینہ تو ہے ہی اردو ادب کا بھی عطر ہے۔

تھوڑا عرصہ قبل آپ سے فون پر رابطہ ہوا تو فرمایا کہ ''مکتوبات معصومیہ'' کا اسی طریق پر ترجمہ کر کے اپنے مرشد گرامی حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہم زیب سجادہ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سپرد کر چکے ہیں۔ مکتوبات معصومیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند گرامی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً چھ سو باون مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ مکتوبات امام ربانی کی طرح یہ مجموعہ بھی اَسرار و حِکم، پند و موعظت، دقائقِ سلوک و تصوف کا بے بہا خزینہ ہے۔ ان مکتوبات

کا از سر نو ترجمہ وتدوین اور ترتیبِ جدید معمولی بات نہیں۔

یہ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب زید مجدہم کی ''متاع قلیل'' کی معمولی جھلک ہے۔ ہمارے خیال میں نقشبندیات پر آپ نے تن تنہا اتنا کام کیا ہے جو بڑے بڑے اداروں اور اکیڈمیوں کے بس کی بات نہیں، ہاں ''ارادہ'' اگر ہو تو رانجھا صاحب جیسے لوگ یہ کوہِ گراں سر کر سکتے ہیں، مگر اس کے لیے بھی 'رانجھا' ہونا ضروری ہے۔

''متاع قلیل'' میں جناب رانجھا صاحب نے اپنے نجی حالات بلاکم وکاست پیش کیے ہیں۔ یہ خودنوشت بھی اَحوال و کیفیات اور وارداتِ حیات کا دل چسپ مجموعہ ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے کسی ''کوہ کن'' کا تصور ابھرتا ہے۔ مسلسل محنت، کدوکاوش، زندگی کی کٹھنائیوں سے نبرد آزمائیاں، رزق حلال کی طلب اور خاندان کی پرورش میں زمانے کے سرد و گرم تھپیڑوں کی برداشت، جستجو، لگن اور محنت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، تنکا تنکا جوڑ کر بچوں کے لیے آشیانہ فراہم کرنے کی فکر، افرادِ خاندان، اعزہ و اقارب خصوصاً والدین کی خدمت کے حیرت انگیز واقعات و مشاہدات کا مجموعہ ''متاع قلیل'' ہے۔ وفاء وخلوص میں گندھے رشتے کیسے ہوتے ہیں، خاندان کس طرح بڑھتے، پھلتے پھولتے یا سمٹتے ہیں؟ ان میں محبت ونفرت کی لہریں کب کب اور کس طرح جنم لیتی ہیں؟...... اس کا اندازہ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رانجھا صاحب نے عمر بھر ملازمت کی، دوران ملازمت بھلے اور برے، دونوں طرح کے ساتھیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی ٹانگ کھینچنے کا دائمی عارضہ ہوتا ہے، اس سے وہ اپنی قساوت ودنائت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جو ان کی فطرت ہوتا ہے۔ رانجھا صاحب کو بھی دونوں طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑا، انہوں نے کمال توازن کے ساتھ دونوں طبقوں کا ذکر کیا ہے۔ جن ساتھیوں نے مشکل وقت میں حق دوستی نبھایا، ان کا نام لے کر دل کھول کر تعریف کی ہے، البتہ نامہربانوں کا نام لے کر انہیں رسوا نہیں کیا۔ رانجھا صاحب نے اہل محلّہ کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہاں بھی انہوں نے بےکم وکاست محلے داروں کے دونوں رخ دکھائے ہیں، جس سے ''محلّہ داری'' کے تہ در تہ معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر رانجھا صاحب نے ڈاکٹریٹ کا ہمالہ کیسے سر کیا؟ محکمہ جاتی الجھنیں اور رکاوٹیں کیا ہوتی ہیں؟ کس طرح کسی کے حق کو دبایا جاتا اور ناحق کو نوازا جاتا ہے؟...... یہ بھی ایک داستان ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس باب میں خصوصاً ان احباب کے لیے جو ڈاکٹریٹ کے مرحلے سے گذر رہے ہیں، کی دلچسپی کا کافی سامان ہے۔

خانقاہ سراجیہ کندیاں کے تذکرے کے بغیر آپ کی خودنوشت کیونکر مکمل ہوسکتی تھی...... جناب رانجھا صاحب وفا کیش ومحسن شناس ہیں، خانقاہ شریف سے وابستگی، حضرات خواجگان سے عقیدت ومحبت ان کے دل میں رچی بسی ہے، چناں چہ کتاب کا ایک معتد بہ حصہ خانقاہ سراجیہ کے والہانہ ذکرِ خیر پر مشتمل ہے۔ یہ اسی خانقاہ کا فیض ہے کہ نقشبندیات پر اتنے وقیع اور وسیع کام کو ''متاعِ قلیل'' قرار دیتے ہیں۔

قاری کتاب اٹھاتا ہے تو ممکن نہیں سرسری انداز میں پڑھ کر ایک طرف رکھ دے، بلکہ رانجھا صاحب کے ساتھ ساتھ چلتا

ہوا خود اپنے بچپن، لڑکپن، جوانی اور اَدھیڑ عمری کو تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف اپنی نہیں ہماری کہانی بھی لکھ دی ہے۔

نامور محقق اور صاحب قلم جناب ڈاکٹر سفیر اختر صاحب اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں:

''وطن عزیز کے معروف تذکرہ نگار اور مصنف ڈاکٹر نذیر رانجھا نے پچاس سے زائد کتابوں اور چھوٹے بڑے رسائل کی تصنیف وتالیف اور ترجمے کے بعد آخرالامر بار بار ابھرنے والی اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنا ہی دیا ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد اور اعزہ واقارب کا تذکرہ مرتب کریں، نیز اپنی ۶۵ سالہ زندگی کے نشیب وفراز کی داستان رقم کردیں۔ ڈاکٹر رانجھا ان شاذ فراد میں سے ہیں جو نسبی تعلقات کی اہمیت کو جانتے ہیں، انہیں نبھاتے ہیں اور اب انہوں نے ان نسبتوں کو آنے والی نسلوں کے لیے حوالہ قرطاس بھی کر دیا ہے۔''

خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا خوجہ خلیل احمد صاحب زید مجدہم اپنے کلماتِ تقریظ میں ارقام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت رانجھا صاحب کو بے پناہ کمالات سے نوازا ہے۔ تاریخ، تحقیق، ادب، تصوف، اور اہل تصوف کی خدمات عالیہ کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں کے خوشہ چین بھی ہیں۔ آج تک حضرت موصوف کو علمی، ادبی اور تاریخی تناظر میں دیکھا جا تا رہا ہے، لیکن موصوف کی خودنوشت کتاب بعنوان ''متاع قلیل'' نے بہت سے گم گوشوں سے پردہ اٹھادیا ہے۔ محترم المقام رانجھا صاحب نے زندگی کے مشکل اور دشوار مرحلے جس جفاکشی اور اولوالعزمی سے عبور کیے ہیں، یہ یقیناً قابل صد تحسین اور قابل تقلید ہونے کے ساتھ ساتھ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی کی عملی تفسیر بھی ہے۔ محترم رانجھا صاحب نے ''متاع قلیل'' لکھ کر جہاں اپنے لیے متاع کثیر سمیٹ لیا ہے وہاں خانقاہ سراجیہ کے متوسلین کے لیے بھی زادِ آخرت جمع کردیا ہے...... **فجزاہ اللّٰہ جزاءً وافیاً**''

بلاشبہ چار سو سولہ صفحات پر مشتمل ''متاعِ قلیل'' ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو مسائل حیات سے الجھتا نہیں بلکہ پیہم انہیں سلجھاتا اور صبر وثبات سے گزرتا چلا جاتا ہے، اسے پڑھتے ہوئے یہی احساس رہتا ہے کہ:

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگانی

نام کتاب: ''ہمارے دور کے چند علماءِ حق'' **مؤلف: سید امین گیلانی رحمہ اللہ** **ضخامت: ۳۵۱ صفحات**

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ ملتان۔ **مبصر: ڈاکٹر عمر فاروق احرار**

یہ کتاب اپنے عہد کے چار نامور مشائخ وصلحاءِ اُمّت کے یادگار تذکرے کا حسین گلدستہ ہے۔ جن میں شیخ طریقت حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے مبارک نفوس شامل ہیں۔ مؤلف کتاب سید امین

گیلانی رحمہ اللہ اردو کے ممتاز شاعر اور ادیب تھے۔ انھیں اپنی دینی وقومی زندگی میں ان بزرگوں کو قریب سے دیکھنے وسننے کے مواقع نصیب ہوئے۔ انھوں نے ان اکابر کے واقعات ومشاہدات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ سید امین گیلانیؒ کے بقول: ''اس کتاب میں، مَیں نے بزرگوں کے کچھ خاص واقعات، کچھ ایسے فرمودات کہ جن میں کوئی اہم پہلو، نیز کچھ علمی نکات، کچھ عملی کمالات، بعض کشف اور کرامتیں درج کی ہیں۔ کچھ باتیں میرے ذاتی علم ومشاہدہ کی۔ باقی واقعات دوسرے ثقہ بزرگوں اور دوستوں سے حاصل کیے ہیں۔ (ص: ۳۷)

اکابرِ اُمّت کی زندگیاں نہ صرف اپنے دور بلکہ آنے والے زمانوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہوتی ہیں، جن کی روشنی میں اصلاح، تربیت اور تزکیہ کے مراحل بہ آسانی طے کیے جاسکتے ہیں، کیونکہ باعمل شخصیات کی حیاتِ مبارکہ اور اُن کے فرمودات دل ودماغ پر گہرے نقوش مرتسم کرتے اور عبادت ومعاملات کو اُسوۂ نبوی کے مطابق ڈھالنے کی فکر وترغیب پیدا کرتے ہیں۔ جن سے معاشروں میں صالح تدیُّن کی فضا جنم لیتی ہے۔ زبوں حالی اور فکری گمراہیوں کے اس نازک دور میں بزرگانِ دین کے روشن تذکروں اور قابلِ تقلید واقعات کی تابندگی سے قلوب واذہان اور فکر ونظر کے تاریک دریچوں کو اُجالا جاسکتا ہے۔ امت کی علمی وعملی تاریخ میں اکابرِ اسلاف کے تذکروں اور ملفوظات کی جمع آوری اور نشر واشاعت کی ایک مسلسل ومستقل روایت ہمیشہ رہی ہے۔ ہر زمانے میں اہلِ علم وعمل نے اکابر اولین کے سوانح حیات اور افکار کے مجموعوں کو اپنی زندگیوں کو روشن وبابرکت کرنے کا اہم ذریعہ سمجھا ہے، اور اپنے زمانوں کے اعاظم اہلِ علم وعمل کے احوال وافکار کو جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

''ہمارے عہد کے چند علماءِ حق'' وقت کی ضرورت ہے۔ ایسی کتابوں کی مسلسل اشاعت سے اپنے اکابر کی یادوں کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے احوال وحیات کو تعمیری واصلاحی رُخ پر قائم رکھا جاسکتا ہے۔ یہی مؤلف وناشر کا حقیقی مقصود ہے۔

نام کتاب: مولانا نذیر احمد تونسویؒ (حیات وخدمات) مرتب: قاری فاروق احمد تونسوی ضخامت: ۴۰۴ صفحات
قیمت: درج نہیں ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت، حضوری باغ روڈ ملتان مبصر: صبیح ہمدانی

مولانا نذیر احمد تونسویؒ ایک بہترین مناظر، متبحر عالمِ دین اور مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کراچی کے متحرک رہنما تھے۔ کراچی جیسے عروس البلاد شہر میں ان کا زہد وتقوی اور ختمِ نبوّت کی مقدّس محنت کے ساتھ ان کی دلی وابستگی کے خوب صورت مظاہر ان کی داستانِ حیات کے سرعنوان تھے۔ ان کے اسی تحرّک اور محنت کوشی نے دشمنانِ دین کی نظر میں ان کے وجود کو کھٹکتا ہوا کانٹا بنا دیا تھا۔ چنانچہ اعدائے اسلام کے بزدل گروہوں کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ مولانا نذیر احمد تونسوی مرحوم ومغفور کا استدلال ومکالمہ کے میدان میں مقابلہ کرنے سے بھاگ جائیں اور مولانا کو شہادت کی مقدس وادی کا رہرو بنا دیں۔ شہادت تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جو صرف اس اعزاز کے لائق رجالِ کار کے لیے مخصوص ہے۔ مگر قاتلوں کے ٹولے نے کیا حاصل کیا؟ مولانا نذیر احمد تونسوی کی شہادت نے ختم نبوت کے مقدّس کام کو ختم تو نہیں کیا بلکہ آگے ہی بڑھایا۔ اسی سے

اعدائے دین کو اندازہ لگا لینا چاہیے کہ ان کے اختیار کردہ راستے انھیں کامیابی سے سرفراز نہیں کر سکتے بلکہ ان کا لشکر ہی خائب و خاسر ہے، جبکہ کامیابی صرف خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے لیے مقدر ہے۔

تین ابوب پر مشتمل اس کتاب کی ابتداء میں مختلف حضرات کی تاثراتی تحریریں ہیں۔ مقالات و نگارشات، دیارِ حبیب سے دیارِ غیر تک اور تردیدِ مرزائیت و عقیدۂ ختمِ نبوّت کے اسفار و سرگرمیوں کے عنوانات سے موسوم ابواب دراصل مولانا نذیر احمد تونسوی کے مطبوعہ مضامین ہیں، جن میں مولانا کی علمیت اور تفہیمی صلاحیتوں کو بخوبی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کتاب حضرت مولانا نذیر احمد تونسوی کی یادگاری کے ساتھ ساتھ ان عالمانہ مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تحفظ ختمِ نبوّت کے مشن سے وابستہ حضرات کے لیے ایک قابلِ قدر تحفہ ہے۔ البتہ حسنِ ترتیب کے حوالے سے ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ فہرست میں کتاب کے ابواب کے ذیلی عنوانات کے آگے صفحات کے نمبر درج نہ ہونے سے مطلوبہ عنوان تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں یہ کمی دور کر لی جائے گی۔

نام کتاب: دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تحریر: حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی

مرتب: ابوسعد رضوان اللہ سیالکوٹی ضخامت: ۷۰۴ صفحات قیمت: ۷۰۰ روپے

ناشر: ابو ریحان اکیڈمی، اسلام آباد، 03335272422 مبصر: صبیح ہمدانی

خال المسلمین امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا شمار جماعت صحابہ کہ ان چند نمایاں ترین افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی راشدانہ و عادلانہ انتظامی صلاحیتوں کے ذریعے سے اسلام کے نظامِ حکومت کے خدّ و خال مجسّم کر کے دکھائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک طویل عرصہ تک اعلائے کلمۃ اللہ، احقاقِ حق اور دمغِ باطل کا جو مقدّس فریضہ سرانجام دیا اس کی وجہ سے دشمنانِ دینِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اپنا ہدفِ خصوصی بنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتِ صحابہ سے بغض رکھنے والے بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسمِ گرامی سے سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اور بعینہٖ یہی وجہ ہے کہ دفاعِ صحابہ کا فریضہ ادا کرنے والے مدافعینِ اہلِ سنّت کی زبانوں پر بھی اسی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکرِ مبارک نسبتاً زیادہ جاری رہتا ہے۔

سیّدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی صفات کے حوالے سے اپنوں پرایوں نے کچھ ایسی دھول اڑائی ہے جس کے نتیجے میں راہِ اعتدال پر گامزن رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ بعض لوگ خود کو اہلِ سنّت کہتے ہیں مگر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی خطا شماری اور تنقیص کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں، بعض دوسرے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کے دعوے دار ہیں مگر اس محبت کو اسی صورت میں ظاہر کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے گرامی قدر فرزندان سیّدنا حسن و سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما کی عظمت و تقدّس کو معاذ اللہ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض یا رفض و سبائیت سے تأثر ہے یا پھر خارجیت و ناصبیت کا دور دورہ ہے۔ وہ راہِ اعتدال

جو سلف صالحین اور اہل سنّت والجماعت کا مجموعی شیوہ رہا ہے وہ نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ کتاب اسی راہِ اعتدال کی بازیافت اور اسی کی طرف مراجعت کی دعوت پر مشتمل ایک قابل قدر کتاب ہے۔

زیرِ نظر کتاب محقق اہلِ سنّت حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی مرحوم ومغفور کے رشحات قلم کا مجموعہ ہے جسے ان کے فرزند ابوسعد رضوان اللہ سیالکوٹی نے ترتیب دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا ابوریحان رحمہ اللہ تعالی نے دفاعِ صحابہ کے موضوع پر ایک قابلِ قدر کتاب ''سبائی فتنہ'' سپر دِقلم کی۔ جو بنیادی طور پر مشاجراتِ صحابہ کے موضوع پر کفِّ لسان اور احتیاطِ مقال کے تقاضوں کے حوالے سے ایک شان دار کتاب ہے، اس کے ساتھ ساتھ بہت سے مروّجہ اسالیبِ بیان کی بے احتیاطیوں کی طرف بھی نشاندہی کرتی ہے۔ مگر مروّجات وشائعات سے دلبستگی رکھنے والے کچھ بزرگوں کو شاید یہ کتاب ان کی ذاتی توہین پر مبنی نظر آئی، چنانچہ غیروں کے ساتھ ساتھ بعض اپنوں نے بھی اس کتاب کو موضوعِ بحث بنایا اور اس پر تنقیدیں تحریر کیں۔

ان تنقیدی تحریرات کی اساسی غلط فہمیوں اور الزام مالا یلزم قسم کے دعوؤں اور مغالطوں کی تحقیق وتردید اور تصحیح و توضیح کے لیے مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی مرحوم نے مختلف اوقات میں متعدد مضامین ومقالات شائع کیے، جنھیں اس کتاب میں جناب ابوسعد رضوان اللہ سیالکوٹی نے مرتّب ومدوّن حالت میں یکجا کر دیا ہے۔ اس میں مزید اضافہ حضرت مولانا مرحوم کی وہ تحریرات ہیں جو ''سبائی فتنہ'' (حصہ دوم) کے عنوان سے وہ تبییض کر کے مرتّب کر چکے تھے کہ داعیٔ اجل کا بلاوا آ گیا اور یہ تحریرات کتاب کی صورت میں شائع نہ ہو سکیں۔

پس اس وقت یہ کتاب بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (ذیلی حصص سے صرفِ نظر کرتے ہوئے) ایک حصہ سبائی فتنہ حصہ اول پر کیے جانے والے اغلوطہ زا اعتراضات وتنقیدات کے محکم علمی جواب پر مشتمل ہے تو دوسرا حصہ سبائی فتنہ حصہ دوم کے عنوان سے بہت سے اصیل اور تحقیقی علمی وتاریخی افادات کا مجموعہ ہے۔ ان افادات میں ''حدیث عمار''، حدیث: ''أولی الطائفتین بالحق'' اور اس طرح کی دیگر محتمل المعانی احادیث کی تحقیق وتوجیہ کرتے ہوئے اس علمی تعبیر کو اختیار کیا گیا ہے جس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے تمام افراد سے محبت وعقیدت میں اضافہ ہوتا ہے اور رفض وسبائیت یا خروج وناصبیت جیسی فکری بیماریوں کا علاج بھی نصیب ہوتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک مفصل مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کتاب کی اشاعت کا تاریخی وواقعاتی پس منظر بھی قاری کے سامنے آتا ہے اور کتاب میں بعض مقامات پر مجمل اشاروں کی صورت میں آنے والے ان واقعات کا سراغ بھی ملتا ہے جو اس کتاب میں شامل مضامین کی تالیف کا سبب بنے۔

۷۰۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اور اس کے مباحث مومنینِ اہل سنت ومحبان اہلِ بیت واصحاب رسول سلام اللہ ورضوانہ علیہم کے لیے توشۂ خاص ہیں اور ایمان واعتقاد میں اعتدال کی نعمت سے بہرہ یاب ہونے کا نسخۂ کیمیا۔ اللہ تعالی مصنّف مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور فاضل مرتّب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرا اسلوبِ تردیدِ قادیانیت

ہانی طاہر (سابق قادیانی) ۔ترجمہ: صبیح ہمدانی

میرے اسلام قبول کرنے کے تقریبا دو برس گزرنے پر جبکہ استاد حسن عودہ کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے معروف مجلّہ ''التقویٰ'' کی اشاعت اپنے تیسویں برس میں داخل ہو رہی ہے، مجھ سے انھوں نے پوچھ کہ ردّ قادیانیت میں میرا خاص طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں میں نے درج ذیل تحریر لکھی۔

۱: مرزا غلام احمد کی کتابوں کو موضوعِ بحث بنایا جائے۔ مرزا صاحب کی غلط بیانیاں، جھوٹی پیشین گوئیاں اور غیر مہذب لہجہ و زبان پر زیادہ سے زیادہ گفتگو کی جائے۔ وہ مسائل جن میں علمائے مجتہدین کی مختلف آراء ہیں یا جہاں مفسّرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں ان پر گفتگو کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔

۲: مرزا صاحب کی بد اخلاقی کو بطور خاص سامنے لایا جائے۔ جیسا کہ میں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ مرزا صاحب کا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء گھڑتے ہیں بلکہ ان کے روز مرّہ زندگی کے اخلاق بھی ایسے برے تھے کہ ان سے متأثر ہونے والے احمدیوں پر اس کا لازمی منفی نتیجہ مرتّب ہوتا ہے۔ اس طریقے سے ہم ان احمدیوں سے بھی بات کر سکتے ہیں جو احمدیت میں ہونے والے اپنے تجربات کی روشنی میں الحاد کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی مرزا صاحب کے دعوے جھوٹے تھے، ان کا کہنا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جھوٹے ہونے کے باوجود باقی دینی شخصیات سے بہتر تھے۔

۳: مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے آپس کے تضادات کو سامنے لانا۔ مثلاً مرزا صاحب کے وہ اقوال جن میں وہ قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ سناتے ہیں کہ نبوت بالکل ختم ہو چکی ہے اور ہرگز ہرگز کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں مرزا بشیر الدین محمود احمد نبوت کے دروازے کو کھول دیتے ہیں اور سب مسلمانوں کے کافر ہونے کا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔

۴: اس بات کا اظہار کہ جماعت احمدیہ جس ریشنل اور معقولی دینی تفسیرات پر فخر کرتی ہے (خاص طور پر قصص الانبیاء کی توجیہات میں) مرزا صاحب کی باتیں اس کے بالکل برعکس بہت سی غیر معقول اور غیبی نوعیت کے خیالات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح نسخ کے موضوع پر (کہ جماعت احمدیہ نسخ کو تسلیم نہیں کرتی، جبکہ مرزا صاحب اس کے قائل ہیں) یا خضر علیہ السلام کے مسئلہ پر (کہ جماعت انھیں کوئی تکوینی شخصیت نہیں تسلیم کرتی بلکہ اس سارے قصے کو استعارے کے رنگ میں تفسیر کرتی ہے جبکہ مرزا صاحب تو اسرائیلی روایات کی طرز میں خضر علیہ السلام کا شجرۂ نسب تک بیان کرتے ہیں) یا رجم کے مسئلہ پر (مرزا صاحب رجم کو حکم قرآنی مانتے ہیں) یا مرتد کے قتل کے مسئلہ پر۔

۵: بھٹکے ہوئے احمدی افراد کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آنا۔ یہ بھی بہت ضروری ہے۔ لوگوں کو یہ پتہ چلنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ کے بھی بہت سے شدت پسندانہ رویے ہیں، مثلاً جو شخص مرزا صاحب کے کذبات سے واقف ہو جائے جماعت اس کو فوراً اپنے سوشل بائیکاٹ کا نشانہ بنا لیتی ہے۔ بہت سے امن پسند تارکینِ احمدیت پر بے تحاشا جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ جماعت کی کوشش ہوتی ہے صورت حال انتشار پذیر ہو اور کوئی حادثہ پیش آئے (تاکہ جماعت کی مظلومیت زیادہ نمایاں کی جاسکے) اسی طرح جب امّت مسلمہ کو کوئی تکلیف پہنچے یا کسی محاذ پر شکست کا سامنا کرنا پڑے تو جماعت احمدیہ میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہماری مصیبتوں پر وہاں اطمینان و مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

۶: جماعت احمدیہ جن قرآنی آیات سے استدلال کرتی ہے ان کا جواب دیا جانا اور ان کے استدلال کے بطلان کو ظاہر کرنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً آیتِ استخلاف، یا آیت: **و آخرین منهم لما يلحقوا بهم**، یا آیت: **وإن يك كاذباً فعليه كذبه**، یا آیت **ولو تقوّل علينا بعض الأقاويل** ۔ یا حدیثِ نبوی: **ثم تكون خلافة على منهاج النبوّة.** وغیرہ

۷: اس بات کو بیان کرنا کہ مرزا صاحب کوئی نئی فائدہ مند چیز پیش نہیں کر سکے۔ بلکہ ان کے اقوال و افعال کا محرک اعظم ان کی انانیت اور خود پرستی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات یا علامات قیامت کے حوالے سے مرزا صاحب نے جتنا کچھ لکھا یا کہا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس سے کوئی نفع بخش اعتقادی و عملی حالت پیدا کرنا چاہتے تھے بلکہ ان موضوعات پر لکھی گئی ان کی سب تحریروں کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ موضوعات ان کے دعووں سے متعلق تھے۔ اس لیے کہ ان کے اعلانات تبھی درست منوائے جاسکتے تھے کہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ منوایا جائے اور علاماتِ قیامت کی وہ تفسیر کی جائے جو مرزا صاحب کو ان کے دعووں کے مطابق نظر آئے۔

۸: احمدی دوستوں کے ساتھ لگے رہنا اور ان کے اشکالات و مسائل کا جواب دیتے رہنے کی کوشش میں مصروف رہنا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ان دوستوں کو یہ بھی واضح کرتا رہتا ہوں کہ (قادیانی ہونے کے زمانے میں) میرے پرانے اقوال کی وجہ کیا تھی؟ اور احمدیت کے حیلوں کا پردہ میرے سامنے سے کیسے ہٹا اور مجھے احمدیت کے مبنی بر کذب ہونے کا ادراک کس طرح ہوا۔

۹: احمدی متکلمین سے مہذب انداز میں مکالمہ کا مطالبہ کرنا، اگر وہ اس سے فرار ہونا چاہیں تو پھر ان سے مباہلہ کی درخواست کرنا خواہ وہ جس قسم کی شرائط بھی لگائیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ اپنی جماعت کے بھولے بھالے لوگوں کو یہ فریب دیتے ہیں کہ ان کی جماعت لوگوں کو مباہلے کی دعوت دیتی ہے مگر لوگ راہِ فرار اختیار کرتے ہیں، چنانچہ اس جھوٹ کو ان پر پلٹنا بہت ضروری ہے۔

۱۰: میں احمدیہ ٹی وی کے پروگراموں کو بھی فالو کرتا ہوں اور ساتھ کے ساتھ ان کے جھوٹوں پر اپنے تبصرے لکھتا جاتا ہوں، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت قادیانی ٹی وی اینکرز خاصی پریشانی اور ضرورت سے زیادہ احتیاط کے ساتھ ٹی وی پر

گفتگو کرنے لگے ہیں۔ میں نے فیس بک پر ایک پیج بنا رکھا ہے جس پر بلاتوقف میرے مقالات اور تبصرے ہمہ وقت شائع ہوتے رہتے ہیں، تقریباً ہر گھنٹے کے وقفے سے اس پر کوئی نہ کوئی تحریر لکھتا رہتا ہوں۔ اس صفحے پر احمدیوں اور غیر احمدیوں سب کو خوش آمدید کہا جاتا ہے کہ وہ جس وقت بھی چاہیں شرکت کر سکتے ہیں۔

میری اب تک جدّ وجہد کے نتائج:

دو سال سے کم عرصہ ہوا جب سے میں نے یہ محنت شروع کی ہے، اس دورانیے میں ۳ ہزار مقالات، اور دو سو ویڈیوز اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان مقالات اور ویڈیوز میں احمدیوں کی سب ڈینگوں کی قلعی کھول گئی ہے، جو وہ اپنی تاویلات باطلہ، اپنے اعداد وشمار، اپنی دعاؤں کی خرقِ عادت قبولیت کے واقعات، اپنی پیشین گوئیوں اور اپنی علمی عظمتوں کے حوالے سے فخر کیا کرتے تھے اس سب میں اب ایک واضح ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ اب ان کی گفتگو زیادہ تر خوابوں اور خیالی باتوں پر منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔

قادیانیوں کے مکالمہ اور مباہلے سے فرار اور پریشانی کو پوری دنیا نے دیکھ لیا ہے۔ کہ نہ تو وہ مجھ سے بحث کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں نہ مباہلہ ہی کرتے ہیں۔

اس سارے عرصے میں سب سے خوبصورت لمحہ وہ ہوتا ہے جب کوئی احمدی کچھ عرصہ تک میری باتوں کو بڑی شدت سے رد کرتا ہے اور ہر بات پر مجھے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر کچھ دنوں بعد وہی احمدی مجھ سے رابطہ کرتا ہے اور مجھے یہ بتاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جھوٹے ہونے کا معاملہ کھل کر اس کے سامنے آ گیا ہے۔ اور یہ خوبصورت لمحات بلاتعطل آتے رہتے ہیں۔ ہانی طاہر: ۲/اگست ۲۰۱۸ء۔

پس نوشت: یہاں تک مضمون مجلّہ ''التقویٰ'' میں شائع ہوا۔ میں اوپر مندرج نکات میں کچھ مزید اضافہ کرنا چاہوں گا:

۱۱: انفرادی ذمہ داری کو مدارِ گفتگو بنانا۔ چنانچہ ہر احمدی سے اس کے احوال اور اس کے علم کی بنیاد پر ہی بات کی جانی چاہیے۔ اور اس کو یہ تلقین کرنی چاہیے کہ وہ اپنے علم کی بات کرے احمدیت کے بارے میں بغیر علم کوئی بھی جھوٹی گواہی دینے سے بچے، اسی طرح اس کو ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کا ذمہ دار ہے اور اس سے اسی کی ذات کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ قادیانیت پر عمومی تردیدی گفتگو کافی نہیں۔

۱۲: کسی ذاتی فتح، کسی احمدی کی شخصی شکست، کسی انانیت اور ذاتی عنوان کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہونا چاہیے نہ اس کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ مسئلہ ذاتیات کا نہیں اعتقاد ونظریات کا ہے جو عمومی ہیں۔

۱۳: احمدیت اور اس کے جھوٹے گواہوں کو دنیا کے سامنے عبرت کا سامان بنانے کی کوشش کرنا۔ تاکہ ہر دین دشمن چالباز اور شریر شخص کو کان ہو سکیں کہ اگر وہ مرزا صاحب کے رستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرماتے رہیں گے جو اس کے حیلوں اور مکروں کو پارہ پارہ کر کے اس کے جھوٹ کھول کھول کر بیان کر دیں۔

منھاجِ نُبوّت اور مرزا قادیانی (آخری قسط)

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

معیار نمبر ۳۶: انبیاءِ کرام علیہم السلام کی طرح کوئی عزت نہیں پا سکتا:

دنیاداروں کے نزدیک اگرچہ عزت وقدر و منزلت کا معیار دولت اور عہدے ہیں لیکن حقیقت میں یہ معیار غلط ہے اور عزت کا دارومدار صرف اور صرف ایمان اور تقویٰ ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے: **یقولون لئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل، ولله العزة ولرسوله ولكن المنافقين لا يعلمون** (المنافقون:8)

ترجمہ: کہتے ہیں اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔

سورت النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **الذين يتخذون الكفرين أولياء من دون المؤمنين، أيبتغون عندهم العزة فإنَّ العزة لله جميعا** (النساء:139)

ترجمہ: جو مومنوں کو چھوڑ کا کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنی چاہتے ہیں تو عزت سب خدا ہی کی ہے۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے:

آثرک الله علی کل شئی. اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز پر تجھے ترجیح دی۔ (تذکرہ 372 طبع چہارم)

انی فضلتک علی العالمین. میں نے تجھے تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ (تذکرہ ص 7 طبع چہارم)

انا کفیناک المستهزئين. وہ لوگ جو تیرے پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں۔

(تذکرہ ص 37 طبع چہارم)

انبیاء و رسل سے ہر ایک کا نام اللہ تعالیٰ نے میرا رکھا ہے۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 ص 72 حاشیہ)

اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود دنیا کی نظر میں مرزا قادیانی کی عزت یہ تھی:

1۔ اس کی زندگی میں اسے کذاب، مکار اور دجال کہا گیا۔

2۔ اس کے روبرو اسے خودغرض، عشرت پسند، بدزبان کے لقب دیئے گئے۔ (روحانی خزائن جلد 22 ص 591)

3۔ اسے مولانا کرم دین نے عدالتوں میں ذلیل وخوار کیا۔

4۔ اسے اس کے ماننے والوں پر کفر کے فتوے سب مسلمانوں نے متفقہ طور پر دیئے۔

5۔ اس پر مخالفین کا خوف مسلط رہا اور وہ بار بار برطانوی حکومت کو اپنے وفادار ہونے کا یقین دلاتا رہا۔

6۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اگست 1900ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں مرزا قادیانی سے مناظرہ و مباہلہ کے لیے تشریف لائے، مرزا مقابلہ کے لیے نہ آیا اور رسوا ہوا۔

7۔ مولانا محمد حسن فیضی اور دیگر اکابر نے مرزا کی علمی غلطیوں اور خیانتوں کی نشان دہی کر کے اس کی پردہ داری کی۔

8۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے مرزا کے خلاف فتویٰ لکھ کر چھپوایا اور تمام ہندوستان میں پھیلایا جس پر مرزا نے چیں بجبیں ہو کر انہیں اندھا شیطان کا لقب دیا۔

9۔ علماءِ لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا قادیانی کے کفر کی نشاندہی کی۔

10۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مقابل مرزا نے دعا کی کہ یا اللہ جو جھوٹا ہے اسے زندہ کی زندگی میں موت دے دے۔ مرزا قادیانی مولانا ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مرگیا اور اس طرح اس نے خود اپنے جھوٹے ہوتے کی تصدیق کر دی۔

یہ سب حقائق اس بات کے دلائل ہیں کہ مرزا قادیانی نے حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام والی عزت نہیں پائی۔

معیار نمبر ۳۷: انبیاء کرامؑ کا انداز دعوت و تبلیغ مثالی ہوتا ہے:

حضرات انبیاء کرامؑ کی دعوت و تبلیغ اور مواعظ حسنہ سے ہوں تو تمام قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ خصوصیت سے درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

البقرہ:54، المائدہ:21، الانعام:78، 135، الاعراف:59، 61، 65، 72، 73، 79، 85، 93،

یونس:84، 71، ھود:50، 30، 29، 28، تا93، 92، 89، 88، 88، 84، 78، 64، 63، 63، 61،

طہٰ:90۔86، المومنون:23، النمل:46، العنکبوت:32، یٰس:20، الزمر:39، غافر41، 38، 32، 30، 29، نوح:4۔

ان آیات پر غور و فکر کرنے سے انبیاء کی دعوت و تبلیغ کی درج ذیل خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔

1۔ بے خوفی:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کسی کی شان و شوکت، بادشاہت اور دولت سے مرعوب نہیں ہوتے۔ نمرود کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام، فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام، قریش کے سرداروں کے سامنے نبی کریم ﷺ کا کلمۂ حق کہنا ہر ایک کو معلوم ہے، باقی انبیاء کرام کا بھی یہ حال تھا۔

2۔ فصاحت و بلاغت:

انبیاءِ کرام علیہم السلام فصیح و بلیغ ہوتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی جو کہ ان کی دعا کی برکت سے ختم ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ تو افصح العرب تھے، پیغام حق کو پہچانے کے لیے فصاحت و بلاغت ایک بنیادی شرط ہے۔

3۔ پیغام کی وضاحت:

انبیاء کرام اپنی دعوت، اپنی تعلیمات گول مول الفاظ میں کبھی بھی پیش نہیں کرتے بلکہ تمام ارکان دین کے ایک ایک نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

4۔ روحانیت:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعلیمات تقدس اور روحانیت سے بھری ہوتی ہیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کے دل ودماغ میں اخلاص اور محنت کے بقدر نورانیت وروحانیت پیدا ہوجاتی ہے۔

5۔ جامعیت:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعلیمات اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے جامعیت رکھتی ہیں اور اپنے زمانہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

6۔ شیطانی مداخلت سے حفاظت:

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وحی شیطانی مداخلت سے محفوظ ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتو ان کی وحی پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی پورا نہ ہوسکے۔

7۔ دعوت بالحکمۃ

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت ہمیشہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ انبیاء اپنے مخاطبین کو سیدھی صاف باتیں عمدہ لہجے اور دلنشین بیان میں سناتے ہیں کہ سننے والوں کے لیے اس سے انکار کا کوئی سبب باقی نہیں رہتا۔

مرزا قادیانی کے انداز دعوت وتبلیغ کا جائزہ:

ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ مرزا قادیانی کی دعوت وتبلیغ اور 83 کتابوں کا ذخیرہ مذکورہ خصوصیات سے خالی ہے۔ مرزا قادیانی سچا نبی ہوتا تو سچے انبیاء کرام کا اسلوب اپناتا۔ وہ متنبّی تھا اس لیے متنبیوں کا انداز ہی اپنایا جوکہ مذکورہ سات خصوصیات کا بالکل الٹ تھا یعنی

1۔ وہ اپنی وحی کے اظہار میں لوگوں سے اور حکومت برطانیہ سے ڈرتا تھا۔

2۔ اس کی تحریر وتقریر فصاحت وبلاغت سے خالی ہوتی تھی۔

3۔ اس کا پیغام واضح نہیں، اجمال، دجل اور تحریفات بہت ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے ماننے والے کئی گروہوں میں منقسم ہیں اور ہر گروہ مرزا قادیانی کو الگ الگ حیثیت سے مانتا ہے۔

4۔ مرزا قادیانی کی تحریروں میں روحانیت کی جگہ ظلمت ہے جس کا پڑھنے والوں پر برا اثر پڑتا ہے۔

5۔ مرزا قادیانی کی تعلیمات میں جامعیت نہیں اسی فی صد سے زیادہ تحریریں ختم نبوت، رفع ونزول عیسیٰؑ کے انکار،

اپنی جھوٹی نبوت کے دلائل پر مشتمل ہیں۔ ان معدودے چند موضوعات کے علاوہ قرآن وحدیث کے تفصیلی مباحث کی درست ترجمانی بہت کم ہے۔

6۔ اس کی وحی شیطانی اثرات سے محفوظ نہ تھی۔

7۔ اس کی تعلیمات دعوت بالحکمۃ کے اصولوں کے یکسر خلاف ہے۔

معیار نمبر:۳۸: انبیاءِ کرام علیہم السلام کی خطرناک امراض سے حفاظت ہوتی ہے:

انبیاءِ کرام علیہم السلام چونکہ مرجع خلائق ہوتے ہیں اور شان محبوبیت رکھتے ہیں اس لیے وہ خاطر خواہ جسمانی وجاہت رکھتے ہیں تاکہ لوگ ان کے قریب آنے میں حجاب محسوس نہ کریں۔ اسی طرح وہ ایسی امراض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں جو کسی بھی طرح متعدی، خطرناک یا نفرت آمیز (مثلا بدبودار یا صورت مسخ کرنے والے) ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی مرض کی جو تفصیلات بعض کتب میں لکھی ہیں وہ اسرائیلی روایات پر مبنی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

مرزا قادیانی کا اعتراف:

انبیاء خبیث امراض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد اول ص 397 طبع جدید)

اسی طرح مرزا قادیانی نے اپنے متعلق دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ الہام کر رکھا ہے۔

مرزا قادیانی کا الہام:

ہم نے تیری صحت کا ٹھیکہ لیا ہے۔ (تذکرہ ص 685 طبع چہارم)

واضح رہے کہ مرزا قادیانی کے نزدیک وحی اور الہام مترادف ہیں۔

مرزا قادیانی کی خطرناک امراض

ہسٹیریا کے دورے:

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹیریا کا درد بشیر اول کی وفات کے چند روز بعد ہوا تھا۔ (سیرت المھدی جلد اول ص 17،16)

مراق اور کثرت بول:

دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت نے پیش گوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو وہ زرد چادریں اس نے پہنی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 33،32)

قولنج زحیری:

ایک مرتبہ میں قولنج زحیری سے سخت بیمار اور سولہ دن پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے

باہر ہے۔(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 ص 246)

ذیابیطس، سوسو دفعہ پیشاب:

مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے، پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض دفعہ سوسو دفعہ ایک ایک دن میں پیشاب آیا ہے اور بوجہ اسکی کہ پیشاب میں شکر ہے کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہوجاتا ہے اور کثرت پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے۔(نسیم دعوت روحانی خزائن جلد 18 ص 432)

اسہال:

مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔(ملفوظات جلد اول ص 565 طبع جدید)

دردسر، کثرت بول اور اسہال:

احادیث میں ہے کہ مسیح موعود دو زرد رنگ چادروں میں اترے گا ایک چادر بدن کے اوپر کے حصہ میں ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے کے حصہ میں سو میں نے کہا یہ اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریوں کے ساتھ ظاہر ہوگا کیوں کہ تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں ہیں یعنی ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرت پیشاب اور دستوں کی بیماری۔(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 ص 42)

دو ہولناک امراض:

مجھے دو بیماریاں مدت دراز سے تھیں ایک شدید دردسر جس سے میں بیتاب ہوجاتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہوجاتے تھے اور یہ مرض قریبا پچیس برس تک دامن گیر رہی اور اس کے ساتھ دوران سر بھی لاحق ہوگیا اور طبیبوں نے لکھا ہے کہ ان عوارض کا آخر نتیجہ مرگی ہوتی ہے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر قریبا دو ماہ تک اسی مرض میں مبتلا ہوکر آخر صرع میں مبتلا ہوگئے اور اسی سے ان کا انتقال ہوگیا۔(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 ص 376)

میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور درد سر مع دوران سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ تشنج قلب بھی تھا اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 ص 203)

خلاصہ کلام:

مرزا قادیانی کہتا ہے "اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے۔(سراج منیر روحانی خزائن جلد 12 ص 17)

دعوت فکر:

قادیانیوں سے گزارش ہے کہ مرزا قادیانی اپنی تحریروں کے مطابق بیس سے زائد امراض میں مبتلا تھا خدارا وہ

سوچیں کہ کیا کسی نبی کو بھی اتنی امراض لاحق ہوئی ہیں اور مرزا قادیانی کی یہ وحی کیا رحمانی تھی کہ "ہم نے تیری صحت کا ٹھیکہ لے لیا ہے" کیا صحت کا ٹھیکہ لینے کا مطلب 20 سے زائد امراض میں مبتلا کرنا ہے؟

معیار نمبر ۳۹: انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں قبول ہوتی ہیں:

حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور مستجاب الدعوات ہوتے ہیں...... ان کی دعائیں اللہ تعالیٰ سنتے اور قبول کرتے ہیں، کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اہم امور کے متعلق دعائیں کی ہوں اور وہ قبول نہ ہوئی ہوں، مرزا غلام احمد قادیانی کو چونکہ بڑا شوق تھا خود کو انبیاء کرام کی فہرست میں شامل کرنے کا اس لیے اس نے اپنے متعلق مستجاب الدعوات ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ:

میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔ (ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد 13 ص 197)

1۔ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔ (تذکرہ ص 432 طبع چہارم)

2۔ دیکھ میں تیری دعاؤں کو کیسے قبول کرتا ہوں۔ (تذکرہ ص 94 طبع چہارم)

مرزا قادیانی کی غیر مقبول دعائیں:

1۔ مرزا قادیانی نے دعا کی کہ الٰہی میری عمر 95 برس کی ہو جائے۔ (تذکرہ ص 414 طبع چہارم)
مگر وہ 68 یا 69 برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔

2۔ مرزا قادیانی نے اپنے مرید مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی صحت کے لیے دعا کی اور کئی الہامات شائع کیے۔
(تذکرہ 472، 472 طبع چہارم)

لیکن مولوی عبدالکریم اپنی بیماری سے شفایاب نہ ہو سکا اور فوت ہو گیا۔

3۔ مرزا قادیانی کا بیٹا مبارک احمد بیمار تھا مرزا قادیانی نے دعوی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی صحت کی بشارت دی ہے۔ (تذکرہ ص 616 طبع 4) لیکن مرزا مبارک احمد صحت یاب ہونے کی بجائے فوت ہو گیا۔ (تذکرہ ص 617)

4۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم کی ہلاکت کے لیے مرزا قادیانی نے وظیفے پڑھوائے۔ (سیرت المھدی روایت نمبر 312 طبع جدید) دعائیں مانگیں (روزنامہ الفضل قادیان 20 جولائی 1950)

لیکن یہ دعائیں قبول نہ ہوئیں، آتھم نہ صرف زندہ رہا بلکہ عیسائیوں نے اس کا جلوس بھی نکالا۔
(سیرت المھدی روایت نمبر 175 طبع جدید)

5۔ مرزا قادیانی کے مرید پیر منظور محمد کے گھر میں امید تھی، مرزا نے بیٹا ہونے کی دعا دی اور پیشگی اس لڑکے کے

متعدد نام بھی تجویز کر دیئے۔ بشیر الدولہ، عالم کباب، کلمۃ اللہ خان وغیرہ۔

(تذکرہ 434،433 طبع چہارم)

لیکن یہ دعا قبول نہ ہوئی اور لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی۔ (روحانی خزائن جلد 22 حاشیہ 103)

مرزا قادیانی نے کہا کہ کوئی بات نہیں لڑکا آئندہ پیدا ہو جائے گا۔ مگر لڑکا پیدا ہونے کی بجائے پیر منظور محمد کی بیوی فوت ہوگئی۔ نہ رہا بانس نہ بجی بانسری

قارئین کرام! مرزا قادیانی کے غیر مقبول دعاؤں کی ایک لمبی فہرست ہے، سر دست صرف پانچ دعائیں تحریر کی گئیں ہیں جو کہ مرزا قادیانی کی وحی کے من جانب اللہ نہ ہونے کی کھلی دلیل ہیں۔

معیار نمبر ۴۰: انبیاءِ کرام علیہم السلام کافروں سے جہاد کرتے ہیں:

حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام نے ہمیشہ کافروں سے جہاد کیا ہے تاکہ اللہ کا دین سر بلند ہو جائے، کسی سچے نبی کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کافروں سے جہاد کرنے کی بجائے ان سے محبت کرے، ان سے جہاد کو حرام قرار دے اور ان کی اطاعت کو واجب کہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

1۔ یہ دین قائم رہے گا اس حالت میں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے لیے جنگ کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

2۔ جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس نے کبھی جہاد نہیں کیا اور نہ اس سلسلہ میں کبھی خواہش کا اظہار کیا تو وہ نفاق ایک پہلو پر مرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

3۔ مشرکوں کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اپنی جانوں کے ساتھ اپنی زبانوں کے ساتھ۔ (سنن ابی داؤد)

جہاد کے متعلق مرزا قادیانی کی تعلیمات:

1۔ میں اِس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اِس گورنمنٹ محسنہ انگریزی کی خیر خواہی اور ہمدردی میں مجھے زیادتی ہے یا میرے والد مرحوم کو۔ بیس برس کی مدّت سے میں اپنے دلی جوش سے ایسی کتابیں زبان فارسی اور عربی اور اردو اور انگریزی میں شائع کر رہا ہوں جن میں بار بار یہ لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے جس کے ترک سے وہ خدا تعالیٰ کے گنہگار رہوں گے کہ اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ اور دلی جان نثار ہو جائیں اور جہاد اور خونی مہدی کے انتظار وغیرہ بیہودہ خیالات سے جو قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتے دست بردار ہو جائیں۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم 355 طبع جدید)

2۔ میں نے بیسوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔۔۔ اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں ان کی

اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لیے بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لیے دلی جان نثار۔(مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص27،26 طبع جدید)

3۔ ہم اور ہماری ذریت پر یہ فرض ہوگیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکرگزار رہیں۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد3 ص166)

4۔ میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت اور جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچادیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیرخواہ ہوجائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کے بے اصل اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد15 ص156،155)

5۔ مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعا گو ہے۔(ستارہ قیصریہ روحانی خزائن جلد15 ص114)

6۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سایہ سے پیدا ہوئی ہے تم چاہو دل سے مجھے کچھ کہو، گالیاں نکالو یا پہلے کی طرح کافر کو فتویٰ لکھو مگر میرا اصول یہی ہے کہ ایسی سلطنت سے دل میں بغاوت کے خیالات رکھنا یا ایسے خیال جن سے بغاوت کا احتمال ہو سکے، سخت بدخوئی اور خدا تعالیٰ کا گناہ ہے۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد15 ص156)

7۔ پس میں اس جگہ پر مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان پر فرض ہے کہ وہ سچے دل سے گورنمنٹ کی اطاعت کریں یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص اپنے محسن انسان کا شکرگزار نہیں ہوتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرسکتا جس قدر آسائش اور آرام اس زمانہ میں حاصل ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔(لیکچر ارلدھیانہ روحانی خزائن جلد20 ص272)

8۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس گورنمنٹ کے لیے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ کے ہوں جو آفتوں سے بچادے۔(نورالحق روحانی خزائن جلد8 ص45،44)

معیار نمبر ۱۴: نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے:

عن عائشہ قالت لما قبض رسول اللہ ﷺ اختلفوا فی دفنہ فقال ابوبکر سمعت مع رسول

اللہ ﷺ شیئا مانسیتہ قال ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ، فدفنوہ فی موضع فراشہ. (جامع ترمذی جلداول صفحہ 121 ،ابواب الجنائز باب ماجاء فی قتلیٰ احد وذکر حمزہ۔وفاقی وزارت تعلیم اسلام آباد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو ان کے مقام دفن میں لوگوں نے اختلاف کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جسے میں بھولا نہیں کہ اللہ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر ایسی جگہ میں جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتے ہوں، تو لوگوں نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے بستر کی جگہ دفن کیا۔

مرزا قادیانی اس معیار پر پورا نہیں اترتا اس لیے کہ وہ لاہور میں مرا اور قادیان میں دفن ہوا۔

(سیرت المھد ی حصہ دوم ص 446 طبع جدید)

قادیانی اس روایت کے متعدد جواب دیتے ہیں:

اوّلاً: وہ یہود ونصاریٰ کی کتابوں اور اسرائیلی روایات سے ثابت کرتے ہیں کہ متعدد انبیاء کرام علیہ السلام کی وفات اور دفن ہونے کی جگہ مختلف ہے۔حالانکہ یہود ونصاریٰ کی کتابوں کا محرّف اور نا قابل اعتبار ہونا ظاہر ہے۔

ثانیاً: مرزا قادیانی کے دفاع کے لیے وہ اسی مفہوم کی اسرائیلی روایات بھی پیش کرتے ہیں حالانکہ اسرائیلی روایات پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے۔

ثالثاً: وہ اس مذکورہ روایت کے بعض راویوں پر جرح کر کے انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث متعدد طریقوں سے مروی ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔

قادیانی بتائیں کہ جامع ترمذی کی زیر بحث روایت کے انہیں کتنے متابعات درکار ہیں؟ تاکہ ہم پیش کر سکیں۔

found.